معیاری ادب ارزاں قیمت

انجانے دیس کی مہمات

تصنیف
چیپ مین اینڈریوز

ترجمہ
پروفیسر عبدالسلام

اکیڈمی لائبریری

اردو اکیڈمی سندھ کراچی

مندرجات

کچھ اس کتاب کے متعلق

اس کتاب میں تین اشخاص کی سوانح عمریاں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی رابرٹ۔ ای پیئیری، کارل ایکلی اور راقم الحروف کی۔ یہ کہانیاں اسی قدر مختلف ہیں جس قدر کہ وہ ممالک جہاں یہ وقوع پذیر ہوئیں۔ مگر ایک اعتبار سے وہ کافی حد تک یکساں ہیں۔ ہم سب حالات عالم کا کھوج لگانے والے تھے۔ پیئیری کو جغرافیہ سے دلچسپی تھی۔ ایکلی کو فطری تاریخ سے۔ اور مجھے سائنس سے۔ ہم سب کا محرک ایک عظیم تصور تھا۔ اگر ہمیں اپنے تصور کے مطابق عمل کرنے میں کامیابی نہ ہوئی ہوتی تو ہمیں اب محسوس ہوتا جیسے ہم زندگی میں ناکام رہے ہیں۔

پیئیری کا تصور قطب شمالی تک پہنچنا تھا۔ ایکلی کا مقصد یہ تھا کہ افریقہ کے جنگلی جانوروں کو اپنی تمام خوشنمائی کے ساتھ امریکہ منتقل کیا جائے۔ میرا تصور تھا ایک عظیم سائنسی مہم کے ساتھ وسطی ایشیا کے حالات کی کھوج لگانا۔

ہم سب کے والدین نہ امیر تھے نہ غریب۔ وہ اپنے لڑکوں کو دنیا کی کھوج لگانے والا نہیں۔ بلکہ معمار، استاد یا کاشتکار بنانا چاہتے تھے۔ مگر کھوج لگانے والوں میں کوئی بات ایسی ہوتی ہے جو انہیں ایسے راستے پر ڈالتی ہے۔ جس کا انتخاب کرنا ان کے لئے خود ضروری ہوتا ہے۔

پییری نے ممالک متحدہ کے بحریہ میں ملازمت کرلی۔ ایکلی اور میں عجائب گھر سے وابستہ ہو گئے۔ ایک مرتبہ کام میں لگ جانے کے بعد ہم میں سے ہر ایک اپنا وقت تیاری کرتے اپنی زندگی حاصل کرنے میں گذارتا رہا۔ ہم میں سے ہر ایک کے دل میں ایک تصور پیدا ہوا اور صورت پذیر ہو گیا۔

ہم سب کے نزدیک اپنے اپنے منصوبہ کے لئے روپیہ فراہم کرنا آسان کام نہ تھا۔ ہم میں سے ہر ایک پر بعض اوقات اداسی چھا جاتی تھی اور وہ سوچتا تھا کہ میرا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ ہم سے ہر ایک جب اپنی متوقع سرزمین کی طرف جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوا تو اسے اپنے جوش و ولولہ میں زندگی آتی محسوس ہوئی۔

پیئری کی زندگی خصوصاً بڑی تکلیف میں گذری۔ قطب شمالی پر پہنچنے سے پہلے اس نے ۲۳ سال بحر آرکٹک میں گذارے۔ اکثر اسے اپنے بیوی بچوں سے دور رہنا پڑا۔ بعض اوقات حالات اتنے تکلیف دہ ہو گئے تھے کہ جسم انسانی کے لئے زندہ رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ مگر اس نے رک جانے کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں۔ آخر میں وہ اس قابل ہو سکا کہ جہاز میں بیٹھ کر گھر کی جانب روانہ ہو تاکہ اپنی کامیابی کی خبر سنائے۔

ایکلی یہ خواب دیکھا کرتا تھا کہ شہر نیویارک کے فطری تاریخ کے عجائب خانہ میں ایک افریقی ہال قائم کیا جائے۔ اس نے کام کرنا کبھی بند نہیں کیا۔ وہ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ افریقہ کے ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتے ہوئے وہاں کی صعوبتوں کی تاب نہ لا کر اس کا انتقال ہو گیا۔ بہر حال وہ جانتا تھا کہ اس کا خواب پورا ہو چکا تھا۔

میں صحرائے گوبی میں گیا جو کہ دنیا کے سب سے بڑے اور انتہائی خشک صحراؤں میں شمار ہوتا ہے اس علاقے میں تند و تیز ہوائیں چلتی ہیں۔ یہاں کبھی بہت سخت سردی پڑتی تھی اور کبھی بہت سخت گرمی۔ نہ یہاں پانی تھا اور نہ کوئی جاندار۔ مگر یہ سرزمین اس شخص کے لئے قیمتی تحفے مہیا کرنے کیلئے تیار رہتی تھی جو یہاں اسکی تلاش میں آئے۔

وہ کون سی ایسی عجیب و غریب طاقت تھی جو آرام دہ گھر چھڑوا کر انسان کو ایسے غیر معلوم علاقوں کی کھوج میں لے جاتی ہے؟ اس کا ایک سبب تو فطرت اور دلیری کے کاموں سے محبت ہے دوسرا سبب کچھ جاننے کی تمنا ہے۔ انجان علاقوں کا کھوج لگانے والوں کے لئے دلیری کی زندگی آگ کی مانند ہوتی ہے اس کے بغیر زندگی بڑی حقیر ہوتی ہے نامعلوم علاقوں کو دیکھنا۔ نئی نئی باتیں جاننا اس کی زندگی کو وہ مفہوم عطا کرتی ہیں جو کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ فطرت میں وہ خود کو پا جاتا ہے اور سچائی اور خوشی کو دریافت کر لیتا ہے۔

ایسے خیالات کو صرف چند لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مگر یہ خیالات اتنے ہی قدیم ہیں جتنی کہ نسل انسانی۔ ابتدائی زمانہ کا انسان کھوج لگانے والا ہی تھا اس نے نئی نئی شکارگاہوں اور وادیوں کا پتہ چلایا۔ نتیجہ یہ ہوا آج تقریباً ساری دنیا سے لوگ واقف ہو چکے ہیں۔ اور انسان زمین، سمندر اور ہوا کا مالک بن چکا ہے۔

پیدل یا جانوروں پر سوار ہو کر آہستہ آہستہ سفر کرنے کے پرانے زمانے اب گذر چکے ہیں۔ حالات عالم کا کھوج لگانے والے اب ہوائی جہاز یا کاروں میں سفر کرتے ہیں۔ دنیا میں اب صرف چند مقامات ایسے رہ گئے ہیں جہاں اب تک کوئی کھوج لگانے والا نہیں پہنچ سکا ہے۔

مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کھوج لگانے کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے صرف مسائل اور طور طریقے بدل گئے ہیں بنی نوع انسان کی زندگی کو بہتر بنانے کی لئے دنیا کے بارے میں اب بھی بہت کچھ جاننے کی ضرورت ہے ہوا سے پرے اور سمندر کے نیچے ابھی کھوج لگانے کے لئے نئی دنیائیں موجود ہیں انسان اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک کہ وہ ان چیزوں کے بارے میں تمام باتیں نہ جان لے۔

حصہ اول

"میں راستہ تلاش کرونگا یا خود بناؤنگا"

۶ر اپریل ۱۹۰۹ء کو رابرٹ ای پیئری زمین کے اس مقام پر کھڑا تھا۔ جہاں کہ شمال جنوب مشرق اور مغرب ایک ہو جاتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچنے کے لئے بیس سال سے زیادہ عرصے تک وہ حالات کے خلاف جنگ کرتا رہا۔ یکے بعد دیگرے ہر سال وہ اپنے بیوی بچوں کو اس خیال سے الوداع کہا کرتا تھا کہ پھر شاید ان سے ملنا نصیب نہ ہو۔ منجمد اور ٹھٹھری ہوئی برف کی سرزمین میں اس نے فاقے کئے اور ٹھٹھرنا برداشت کیا۔ زندگی اس قدر سخت تھی کہ جسم اور ذہن کے لئے تقریباً ناقابلِ برداشت تھی پھر ایسا تصور اسے آگے بڑھاتا رہا جو اس سے کہتا تھا کہ اس پر اسے ضرور عمل کرنا چاہیئے۔

مایوسی کے بدترین لمحات میں بھی اس نے رک جانے کے بارے میں نہیں سوچا۔ اس وقت بھی جب وہ سرد خیمے میں پڑا ہوا تھا۔ یخ بستہ پاؤں میں اسے بلا کی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ اور امید تقریباً مفقود ہو چکی تھی اس نے دیوار پر یہ الفاظ لکھے تھے

"میں راستہ تلاش کروں گا یا خود بناؤں گا۔"

دونوں امریکاؤں کو دریافت کرنے والے کرسٹوفر کولمبس سے لے کر آج تک

رابرٹ ای پیئری کی طرح کوئی بھی کھوج لگانے والا اپنے تصور سے اس قدر وابستہ نہیں رہا اور نہ کسی نے اس کی خاطر اس قدر تکلیفیں برداشت کیں موسم بہار کے اس دن جب وہ دنیا کے سرے پر کھڑا ہوا تھا اس نے اپنی بیاض میں یہ الفاظ لکھے تھے " آخر کار قطب تک پہنچ ہی گیا۔ جس کا خواب میں ۲۰ سال سے دیکھتا رہا ہوں۔ میں اپنی ذات سے اس بات کا احساس بھی نہیں کروا سکتا۔ یہ تو اس قدر سادہ لگتا ہے۔"

قطب پر سورج کی حالت کا تیس گھنٹے تک مطالعہ کرنے کے بعد وہ واپس لوٹ گیا۔ پندرہ دن کے بعد وہ دوبارہ زمین پر جا کر کھڑا ہوا اس کے اگلے دن وہ کولمبیا میں اپنے کیمپ میں پہنچ گیا۔ وہ دو دن تک مسلسل سوتا رہا۔ پھر اپنے جہاز "روزویلٹ" پر چلا گیا جو ۹۲ میل دور برف میں جما ہوا تھا۔ جہاز جنوب میں گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ جہاں ہر شخص اس کارنامہ کا دلکش تذکرہ سننے کی آس لگائے بیٹھا تھا۔ جو اس قدر عمدگی کے ساتھ انجام دیا گیا تھا۔

مگر گرین لینڈ کے اولین گاؤں میں اسے پریشان کن خبریں سنائی دیں۔ اسکیموؤں نے بتایا کہ ایک ڈاکٹر موسوم بہ فریڈرک اے۔ کک جس کے بارے میں پیئری کو علم تھا کہ وہ آرکٹک کے علاقہ میں گیا ہوا تھا۔ بہار کے اوائل میں اس گاؤں واپس آ چکا تھا کک نے کہا کہ وہ شمال میں آخر تک گیا تھا مگر اسکیموؤں نے سر ہلا کر کہا " یہ درست نہیں ہے ہمارے دو آدمی اسکے ساتھ گئے تھے۔"

بعد میں ایٹہ کے گاؤں میں پیئری نے ان دونوں اسکیموؤں اتیکشو اور اپی لاہ سے گفتگو کی جو کک کے ساتھ گئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ وہ سمندر کی برف پر صرف دو دن تک پیدل چلے تھے اور زمین ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئی تھی۔ کک کی استعمال کی ہوئی دو سلیج گاڑیوں میں پیئری نے ایک کی طرف دیکھا۔ اسے نظر آ رہا تھا کہ اس نے بہت زیادہ سخت اور سمندر کی ٹوٹی پھوٹی برف پر سفر نہیں کیا تھا۔

جب "روزویلٹ" پیسبرڈا رمین" انڈین ہاربر" پہنچا تو پیئری کا دوبارہ دنیا سے رابطہ قائم ہو گیا تب اسے پتہ چلا کہ کک ڈینمارک کی طرف جا رہا ہے اس نے لوگوں کو بتایا تھا کہ وہ ۲۱ اپریل ۱۹۰۸ء کو یعنی پیئری سے ایک سال پہلے قطب شمالی پر پہنچ چکا تھا۔ اس کے لئے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ کک لمبی کہانی بیان کرنے کی ہمت کر سکے گا جو پیئری کے ساتھ ۱۸۹۱ء میں ایک مہم پر بھی گیا تھا۔ پیئری اور اس کے ساتھیوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ دنیا کک کی بات کو تسلیم کرے گی۔ پیئری نے فوراً اخبارات کو بتایا کہ کک نے شمال کی جانب تھوڑا سا فاصلہ طے کیا جو اسکیمو کک کے ساتھ گئے تھے انھوں نے کہا ہے کہ کک نے شمال کی جانب تھوڑا سا فاصلہ طے کیا تھا اور زمین اس کی نگاہوں سے ہرگز اوجھل نہیں ہوئی تھی۔

ان الفاظ نے کک کے مقابلہ میں پیئری کو زیادہ صدمہ پہنچایا۔

دنیا کو احمق بنا دیا گیا

کک کی کہانی نے دنیا کو اتنا بیوقوف بنایا کہ آج تک کوئی نہ بنا سکا تھا۔ اس نے ایک دلیر کھوج لگانے والے کی زندگی کو غم آلود بنا دیا۔ اس نے پیئری کو قطب جنوبی کی طرف ایک مخصوص مہم پر جانے سے روکے رکھا۔ بہت عرصہ تک صورت حال یہ رہی کہ کوئی کھوج لگانے والا اپنی دریافتوں کے بارے میں جو کچھ بیان کرتا تھا لوگ اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔

امریکہ کے اہم ترین اخباروں نے کک یا پیئری کی بات تسلیم کر لی ہر اخبار اس شخص کی خاطر لڑنے لگا جس پر کہ اس نے یقین کیا تھا۔ اسٹوروں میں کلبوں میں سرکاری دفاتر میں اور گھروں پر لوگ اس مسئلہ پر بات چیت کرتے تھے۔ آپس میں لڑتے تھے اس نے دوستیاں توڑ ڈالیں اور خاندانوں کو بھی منقسم کر دیا۔

جب ساری دنیا کے مشہور جغرافیہ دانوں نے کک کی کہانی کو جھوٹ ثابت کر دیا۔ تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سے بھی پریشانی میں اضافہ ہی ہو گیا ہے۔ وہ اخبارات جنھیں کک پر یقین آ گیا تھا یا تو سچائی کو بیان ہی نہیں کرتے تھے یا اسے اخبار کے ایسے گوشے

میں ڈال دیتے تھے جہاں لوگوں کی نظر سب سے کم پڑتی ہیں۔ لوگوں کو اس بارے میں بہت ہی کم معلومات تھیں کہ کھوج لگانے والے سے کس قسم کے بیانات کی توقع کرنا چاہیے۔ چنانچہ انہیں کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ ایک بات پر قائم ہو گئے تھے اور اب حقائق کو قطعی نہیں جاننا چاہتے تھے۔ ان کھوج لگانے والوں کے بارے میں عوام میں جو جنگ چھڑی ہوئی تھی وہ دیوانگی کی حد تک جا پہنچی۔

لوگوں نے کک پر یقین کیوں کر لیا

آج پچاس سال گزر جانے کے بعد عوام کے ان عجیب و غریب احساسات کے بارے میں سوچنا بڑا دلچسپ معلوم ہو رہا ہے۔ تین سو سال سے بہت سے ملکوں کے کھوج لگانے والے قطب شمالی تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ امریکہ میں پیئری ہی ایک شخص تھا جس سے لوگوں نے توقعات وابستہ کی تھیں۔ کھوج لگانے والے کی حیثیت سے وہ کافی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اس کی مہمات کے بارے میں اخبارات میں بیانات خوب شائع ہوا کرتے تھے۔ کک سے لوگ بالکل ناواقف تھے۔

اس چھوٹے سے انسان "کک" کے خاموشی کے ساتھ آرکٹک میں اکیلے چلے جانے اور ایک ہی موسم میں قطب پر جا پہنچنے کا خیال لوگوں کو بہت بھایا۔ ایسی چیز تھی جس کے بارے میں پیئری بیس سال سے کوشش میں لگا ہوا تھا۔

بعد میں پیئری کو افسوس ہوا تھا کہ اس نے کک کے بارے میں اخبارات کو بیان ہی کیوں دیا تھا۔ اگر پیئری نے عوام کی توجہ اس معاملہ کی جانب مبذول نہ کروائی ہوتی تو کک کی کہانی خود اسی کے ہاتھوں برباد ہو چکی ہوتی۔ اس کے پاس اپنے سفر کا مکمل ریکارڈ نہیں تھا اسی لئے بعد میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ اس کے بیانات غلط ہیں۔

مگر پیئری نے جو کچھ کیا وہ فطرت انسانی کے عین مطابق تھا۔ اس نے ۲۳ سال تک تکلیفیں اٹھائی تھیں اور قطب تک پہنچنے کی شدید جدوجہد کی تھی کسی اور کو اس کا اعزاز

حاصل کر گئے ہوئے دیکھنا پیئری بھلا کس طرح گوارا کر سکتا تھا۔

پیئری نے اخبارات کو جو بیانات دئے تھے ان سے عوام نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ ایک بد فطرت گمراہ انسان تھا جو یہ تسلیم نہیں کرنا چاہتا تھا کہ ایک اور شخص اس سے بھی بہتر مہم جو ہے اور کک نے پیئری کی حرکات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اس نے صرف یہ جواب دیا "سب کے لئے ابھی کافی اعزازات موجود ہیں" کک کا عمل اس چھوٹے سے سیدھے سادے انسان کی طرح تھا جو اپنی کامیابی پر خود حیرت زدہ رہ گیا ہو۔

کوپن ہیگن کے عظیم الشان سفر کے بعد جہاں کہ بادشاہ اور عوام اسے اعزاز بخشنے کے لئے روزانہ اس کے گرد جمع ہو گئے تھے وہ جہاز میں بیٹھ کر امریکہ روانہ ہو گیا۔ سارے ملک میں اس نے زبردست مجمعوں کے سامنے تقریریں کیں اور اسے بھاری رقمیں حاصل ہوئیں۔ کک نمائش پسند انسان تھا وہ یہ جانتا تھا کہ لوگ کیا سننا چاہتے تھے اور اس نے وہی باتیں بنا دیں اس کے بیانات انتہائے شمال کی دشوار زندگی اور ایسے خوفناک تجربات کے تذکرے سے بھرے پڑے تھے کہ جن میں انسان کی جان بھی ضائع ہو سکتی تھی۔ اس بات کی کسی نے پرواہ نہیں کی کہ کک نے کسی بھی قسم کا کوئی ریکارڈ پیش نہیں کیا اور یہ کہ اسکی رپورٹ صرف اسی کے بیانات پر مبنی تھی۔

پیئری کے دشمن

پیئری آرکٹک سے لوٹنے کے بعد سیدھا مین کی طرف چل دیا جہاں کہ اس کا موسم گرما کا مکان تھا۔ وہاں وہ انتظار کرتا رہا اور دوسری جانب مشہور جغرافیہ دان اس کے ریکارڈ کا مطالعہ کرتے رہے۔ اس دوران میں کک نے اپنی کہانی کی تشہیر بڑی پھرتی اور وسعت کے ساتھ کر ڈالی۔

اس تمام عرصہ میں پیئری عوام کے سامنے ایک بار آیا۔ یہ وہ موقع تھا جب وہ بحریہ کی تاریخ کے ایک مشہور دن کی یادگار منانے کے اپنے جہاز "روزویلٹ" پر گیا تھا۔

گلک کے دوست واحباب ان کے قریب سے اپنی کشتیوں میں گذرے۔
نعرے لگاتے ہوئے مگر پیئری اور اس کے ساتھی جہاز پر خاموشی کے ساتھ کھڑے رہے "روز ایک
پر کسی کو جواب دینے کی اجازت نہیں تھی۔

کھوج لگانے والے اور جغرافیہ دانوں سے پیئری کے دشمن بھی تھے جو" سے
اتفاق کرنے اور اس شخص کو نقصان پہنچانے کے لئے تیار تھے جسے کہ وہ ناپسند کرتے تھے
وہ ان مقامات پر کامیاب ہو چکا تھا جہاں کہ ان میں سے اکثر لوگوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا
پڑا تھا۔ پیئری کے اہم ترین دشمن تھے۔ جنرل اے ڈبلیو۔ گریلی اور ایڈمرل ڈبلیو۔ ایس
شلی جو کہ بحریہ میں بہت بڑا افسر تھا۔

۱۸۸۳ء میں گریلی نے جب کہ وہ ایک نوجوان افسر تھا اور اسے آرکٹک کا کوئی تجربہ
نہیں تھا خلیج لیڈی فرینکلن کی مہم کی کمان کی تھی۔ اس کا خاتمہ بہت ہی خوفناک انداز
میں ہوا تھا۔

یہ مہم ایک جہاز کا انتظار کر رہی تھی جو مزید رسد لے کر آنے والا تھا۔ جب متوقع
وقت تک یہ نہ پہنچ سکا تو گریلی اور اس کی جماعت کو یہ خوف ہوا کہ وہ کہیں آرکٹک کی
سردی میں مرنے کے لئے نہ رہ جائیں۔ وہ لوگ خوف سے پاگل ہو گئے تھے انہوں نے
اپنے فورٹ کونگر کے کیمپ کو چھوڑ دیا جہاں کہ رسد بڑی افراط سے موجود تھی۔ اور جنوب
میں جزیرہ ایلس میئر کے ساحل پر راس سیبائن کی طرف دوڑ بھاگے انہوں نے اپنے
ساتھ کافی رسد بھی نہیں لی اور وہاں ان کے کئی آدمی بھوک سے مر گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے
کہ زندوں نے مردوں کی لاشیں کھا لیں۔ جب کہ شلی کی کمان میں ایک جہاز ان کی جان بچانے
کے لئے پہنچا تو وہاں ۲۴ میں سے صرف سات آدمی زندہ بچے تھے۔

پیئری نے اپنی ایک مہم کا حال سناتے ہوئے گریلی کے راس سیبائن والے
ناخوش گوار کیمپ کے بارے میں لکھا ہے "میں نے اس جگہ کو پہلی مرتبہ اگست ۱۸۹۶ء میں

دیکھا جب کہ برفباری نے شدید طوفان کی بنا پر کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں اس دن کے احساسات یعنی ان لوگوں کی تکالیف پر رنج و غم اور مریضانہ احساس مجھ میں پیدا ہوا تھا میں اسے کبھی نہ بھول سکوں گا۔ میرے نزدیک اس کہانی میں سب سے زیادہ غم انگیز بات یہ تھی کہ ان لوگوں نے بلا ضرورت تکلیف اٹھائی تھی۔ میں اور میرے آدمی آرکٹک کی سردی میں یخ بستہ ہو گئے تھے اور بھوک سے تقریباً موت کے کنارے جا پہنچے تھے وہاں سردی اور بھوک سے انسان کسی طرح نہیں بچ سکتا مگر اس سیمیائی کی تکلیف سے تو وہ بچ سکتے تھے۔ یہ امریکیوں کی مہمات کے ریکارڈ پر ایک بدنما داغ ہے"

پیئری نے صرف سچی بات ہی بتائی تھی۔ جنگلی جانور انہیں آسانی سے مل سکتے تھے بشرطیکہ گریلی انہیں تلاش کرنے اور پکڑنے کے طریقے جانتا ہوتا۔ لوگوں کو کھانا بھی مل سکتا تھا اور وہ سلیج گاڑیوں میں بیٹھ کر واپس فورٹ کونگر پہنچ سکتے تھے۔ مگر پیئری کے اس بیان سے گریلی اس کا سخت دشمن بن گیا۔

گریلی کا یہ بھی خیال تھا کہ اسے بحر آرکٹک میں زمین بھی مل گئی تھی اس نے اس کا نام اپنی جان بچانے والے کے اعزاز میں "زمین شلی" رکھ دیا تھا۔ مگر پیئری کی کھوج سے اس بات کا علم ہوا تھا کہ وہ زمین نہیں تھی۔ اس حقیقت کے بیان کرنے کی بنا پر شلی پیئری سے ہمیشہ ناراض رہا۔ حالانکہ دوسرے مہم جوؤں نے پیئری کے بیان کی تصدیق کر دی تھی۔

گریلی طاقتور انسان تھا اور پیئری کے خلاف جنگی محاذ قائم کرتے ہوئے اس نے بڑی محنت کی پیئری نے کک کی کہانیوں کے خلاف کوئی تبلیغ نہیں کی۔ وقت نے ہی یہ ثابت کر دیا کہ وہ سب غلط ہیں۔ پھر بھی پیئری کو سخت صدمہ پہنچا ۲۳ سال تک آرکٹک میں انسان کی بساط سے بھی زیادہ محنت کرنے کے بعد اسے جس جنگ کا سامنا کرنا پڑا تھا اس نے اس کی تمام بقیہ زندگی کو غم آلود بنا دیا۔ کئی سال بعد ایک اخبار نے لکھا کہ پیئری سے ایسی چیز لے لی گئی ہے جو اسے ہرگز واپس نہیں کی جا سکتی اسے وہ بے لاگ خوشی ہرگز محسوس

نہیں ہو سکتی جو کہ قطب شمالی کی دریافت کرنے کے بعد اسے محسوس ہونی چاہیے تھی۔

پیئری کی ابتدائی زندگی اور حصول علم

پیئری کی زندگی دو حصوں میں منقسم تھی۔ تیاری کرنا اور کام انجام دینا۔ وہ پنسلوینیا کے شہر کریسون میں ۶ مئی ۱۸۵۶ء کو پیدا ہوا اور ابتدائی زندگی ہی سے جو کچھ بھی ملا یا جو کچھ اس نے انجام دیا اس کے لئے اسے سخت محنت کرنی پڑی۔ اس کا خاندان غریب تھا اور وہ ابھی تین سال کا ہی تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کی ماں اس چھوٹے بچے کو لے کر اپنے گھر آ گئی۔ کالج کی تعلیم سے فارغ ہونے تک وہ یہیں رہا۔

وہ فطرت کا بڑا شوقین تھا۔ اس نے جانوروں کی کھال میں بھس بھرنا سیکھ لیا اس کام سے اسے جو کمائی ہوتی تھی اس سے وہ اپنے خاندان کی مدد کیا کرتا تھا۔ وہ ہر قسم کا کھیل کھیل سکتا تھا۔ نشانہ بازی اور گھڑ سواری کر سکتا تھا۔ وہ سات آٹھ گھنٹے میں ۲۵ میل پیدل چل سکتا تھا اور ہر ہفتہ اس کی مشق کیا کرتا تھا۔

ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد پیئری بوڈوئن کالج میں داخل ہو گیا۔ اس نے سول انجینئرنگ یعنی تعمیرات عامہ مثلاً سڑکیں اور پل وغیرہ بنانے کی سائنس کی تعلیم حاصل کی اس نے ۲۰ سال کی عمر میں بوڈوئن میں اپنی تعلیم مکمل کر لی وہ اپنی جماعت میں دوم آیا اور اسے سول انجینئرنگ کے اعلیٰ ترین اعزازات عطا ہوئے۔

کچھ عرصہ تک وہ اپنے گھر کے قریب ہی انجینئر کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ایک دو سال تک واشنگٹن میں کام کیا اسے اپنے کام میں بڑا لطف آتا تھا مگر اسے اپنے دل میں حالات عالم کا کھوج لگانے کی تمنا محسوس ہونے لگی تھی۔ اس نے پناما کے بارے میں سوچا وہاں ایک نہر بنانے کے بارے میں بات چیت ہو رہی تھی یعنی ایک آبی راستہ جس کے ذریعے جہاز ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک چلے جائیں۔ اس ملک کی اور

انجینئرنگ کی دونوں کی نوعیت کا مطالعہ کرنے کے لیے وہ پناما کے حالات کی کھوج کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کی ماں اس کے وہاں جانے پر رضامند نہیں تھی۔ چنانچہ اسکے بجائے بحریہ میں ملازم ہو گیا۔

بحریہ میں اس کا اولین تقرر نکاراگوا میں ایک مشہور سول انجینئر اے۔ جی کال کے ماتحت ہوا اپنے کام کو بہتر طریقے سے انجام دینے کے خیالات کی بنا پر مینو کال کو پسند کرتا تھا۔ جب مینو کال کو ان انجینئروں کا انچارج بنایا گیا جو نہر پناما کے بارے میں منصوبے تیار کر رہے تھے تو اس نے پیری سے اپنا خصوصی معاون بن جانے کے لیے کہا۔ گرم علاقے میں بھی شاید پیری نے قطب شمالی کا خواب دیکھا ہو۔

نکاراگوا میں نہر بنانے کا منصوبہ

ابھی باقی ہیں پیری نے جس مطا... دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ کوسٹوفر کولمبس نے امریکہ کی اس زمین کو سب سے پہلے دیکھا تھا۔ پیری نے لکھا ہے کہ صرف ایک ہی انسان ایسا ہے جسے کولمبس کی سی شہرت حاصل ہو سکتی ہے وہ ایسا انسان ہوگا جو اس مقام پر جا کر کھڑا ہو سکے جہاں نہ مشرق ہوگا نہ مغرب یعنی قطب شمالی کا دریافت کنندہ۔

نکاراگوا کا کام بہت سخت تھا۔ پیری اور اس کے آدمیوں کو گھنے جنگل کاٹ کر اپنا راستہ بنانا پڑتا تھا کئی دفعہ انہیں گہرے پانی اور کیچڑ میں ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ اکثر ایسے گڑھوں میں گر پڑا کرتے تھے جو ان کے قد سے بھی زیادہ گہرے تھے۔ پیری نے اپنا کام اس قدر خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ مینو کال کو حیرت ہے اس کی تعریفی سفارش کرنے کے لئے مناسب الفاظ نہ مل سکے۔

نہر بنانے کا کام جلد ہی شروع ہونے والا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیری گرم ملکوں میں ہی کام کرتا رہے گا۔ مگر پیری تو شاید ایک اور راستہ اختیار کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا وہ بالکل شمال کا باشندہ لگتا تھا۔ ویسا ہی دراز قد اور طاقتور ویسی

ی کھوج لی آنکھیں اور چھبے بال۔

ہ اسکے بجا وہ جب واشنگٹن میں واپس آرہا تھا تو ایک شام کی بات ہے کہ اسے کتابوں کی رانی دوکان میں گرین لینڈ کے بارے میں ایک کتاب مل گئی۔ اس کے دل میں وہ شدید ے۔ جی پیدا ہو گئی جو کہ لڑکپن میں اس وقت پیدا ہوئی تھی جب کہ اس نے کین نامی ایک شخص کی لکھی میز کال شمالی بحیرہ کے بارے میں ایک عجیب و غریب کتاب پڑھی تھی اس موضوع کے بارے ے بارے میں کچھ پیری کو مل سکا وہ سب اس نے پڑھ ڈالا اسے پتہ چلا کہ مختلف مہم جوئیوں کے بارے ے کے لئے عجیب و غریب حد تک ایک دوسرے سے مختلف رہے ہیں اس نے سوچا کہ اسے خود جاکر غام کی حقیقی کہانی کا پتہ لگانا چاہیے۔

یں مطا پچھلی صدی کے اختتام تک آرکٹک کا بیشتر علاقہ ایسا تھا جہاں کہ اس وقت تک فورڈ کو ابھی بھی نہیں جانتا تھا کہ آیا گرین لینڈ جزیرہ ہے یا نہیں اور یہ کتنا بڑا ہے۔ چند کھوج ہی لگانے والے جو وہاں گئے تھے انہیں وہاں دبیز برف کے تودے سمندر اور اونچے اونچے پہاڑ نظر آئے۔ گرمیوں میں بھی وہاں برف کے زبردست طوفان آیا کرتے تھے۔ پیری نے سا کہ ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک گرین لینڈ کو پار کرنے والا اولین انسان جنگل کا ڈی ہوگا۔

گرین لینڈ کی اولین مہم ۱۸۸۶ء میں

تھا۔ اکثر تجربے نے پیری کو تھوڑے عرصہ نے اپنا تک کے لئے اپنے فرائض سے رخصت کر لینے پر جانے کی اجازت دے دی اور اس کی والدہ نے گرین لینڈ کی مہم کے لئے پانچ ڈالر دیئے۔ ایک جہاز اس نوجوان مہم جو کو جزیرہ ڈسکو تک لے گیا اور اسے ۶/ جون تا تھا کہ پیری کو وہاں اتار کر جانوروں کی کھال کی بنی ہوئی کشتی میں وہ زمین تک پہنچا۔ نے کے سپاہی کا وہ جو اسکیموؤں کے ایک چھوٹے سے گاؤں کا نائب انچارج تھا۔ پیری کے ساتھ اور دلیسی کے سفر پر روانہ ہونے کیلئے تیار ہو گیا۔

سب سے پہلے تو انہیں اپنی سلیج گاڑیوں کو گلیشیر یعنے ایک زبردست اور د
برف کے سست رفتار دریا پر سے گزار کر لے جانا پڑا یہ کام بہت مشکل تھا۔ مگر دو د
بعد وہ ۱۹۵۶ء فٹ کی بلند چوٹی پر جا پہنچے مشرق کی جانب ہموار برف کا میدان تھا
میں جہاں جہاں سے برف علیحدہ ہو گئی تھی بڑے گہرے اور لمبے گڑھے پڑ گئے تھے۔ جس
پیئیری برف کے ایک پل پر سے گزر رہا تھا ٹوٹ گیا اور وہ بڑی مشکل سے ا
بازوؤں کے سہارے لٹک کر باہر نکل سکا۔ جب اس نے نیچے دیکھا تھا تو وہ بری طرح کانپ
اٹھتا تھا۔ برف کی نیلی نیلی دیواریں اس قدر گہری تھیں کہ وہ آخر کار گہری نیلی تاریکی میں
گم ہو گئی تھیں۔

دن پر دن بیتتے چلے گئے اور وہ چلتے رہے یہاں تک کہ وہ سطح سمندر سے
۷۵۲۵ فٹ کی بلندی پر جا پہنچے۔ اس کے بعد ایک طوفان آیا اور وہ دو دن اور دو
رات تک پتلی سی چادر اوڑھے بیٹھے رہے۔ ہوا اور برف کے جھکڑ ان کے اوپر سے گزرتے ر
۱۹ جولائی کو وہ طوفان تھما تو سورج کی صورت حال سے پیئیری کو پتہ چلا کہ وہ کس مقام
پر ہیں۔ وہ سو میل چل چکے تھے۔ اب انھیں واپس لوٹنا تھا کیونکہ ان کے پاس
کھانا ختم ہو گیا تھا۔

پیئیری کی آرکٹک کی اولین مہم کے نتائج زیادہ امید افزا نہیں تھے۔ مگر اب
تک کوئی بھی کھوج لگانے والا اندر کی جانب اتنی دور تک یا اس قدر بلندی تک نہیں
پہنچ پایا تھا سب سے اہم بات یہ تھی کہ اسے وہاں کے برف کی نوعیت کا آرکٹک کے س
کا اور ضروری رسد کا علم ہو گیا تھا اب اسے ایسی راہ مل گئی تھی جو اسے قطب شمالی تک
پہنچا سکیں گی۔

جب وہ واشنگٹن لوٹا تو اسے پھر جنوب کی جانب نکاراگوا کی نہر کے کام پر بھیج
دیا گیا۔ مینو کال پھر یہاں کا انچارج تھا اور پیئری اس کا نائب تھا۔

ایک حبشی میتھو ہینسن جسے "میٹ" کے نام سے پکارتے تھے اور جو پیئری کا کلرک رہ چکا تھا۔ پیئری اُسے اپنے ساتھ نکاراگوا لے گیا۔ اس کے بعد سے ہینسن پیئری سے کبھی جدا نہیں ہوا اور جب کہ پیئری قطب شمالی پہ پہنچا وہ بھی اس کے پہلو میں کھڑا ہوا تھا۔

نہر کا منصوبہ ۱۸۸۸ء میں مکمل ہوا جب کہ پیئری کی عمر ۳۲ سال تھی۔ اس زمانہ میں اس نے واشنگٹن کے ایک مشہور عجائب گھر اسمتھ سونین انسٹی ٹیوشن کے ایک استاد کی لڑکی جوزیفائن ڈائی بٹش سے شادی کی۔ ان کی ازدواجی زندگی بہت ہی خوش گوار تھی۔ مگر ایک نوجوان عورت کے لئے یہ سخت صبر آزما تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کھوج لگانے والے کی حیثیت سے اس کے شوہر کا کام ایسا تھا کہ انہیں بڑے بڑے طویل عرصوں کے لئے ایک دوسرے سے جدا رہنا پڑے گا۔ مگر اس نے ہمیشہ اپنے شوہر کو حسب منشا کام کرنے میں مدد دی۔

اس شادی کو ایک مہینے سے کچھ ہی زیادہ ہوا تھا کہ انہیں یہ اطلاع ملی کہ ایک اور کھوج لگانے والا یعنی نانسین سب سے پہلے گرین لینڈ کے آرپار جا چکا ہے۔ پیئری کو اس بات پر افسوس ہوا کہ خود اس نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ مگر اس نے ایک نیا منصوبہ بنایا وہ شمال مشرق کی سمت میں کھوج لگا کر دیکھے گا کہ آیا گرین لینڈ جزیرہ ہے یا نہیں اور کیا یہ قطب شمالی سے ملا ہوا ہے۔

گرین لینڈ کی دوسری مہم ۱۸۹۱ء تا ۱۸۹۲ء

پیئری نے ضرورت کے مطابق رقم اکٹھا کرنا شروع کر دیا اور ۱۸۹۱ء میں اس کے پاس دس ہزار ڈالر جمع ہو چکے تھے۔ وہ ۶ جون ۱۸۹۱ء میں اپنی بیوی اور چھ دیگر اشخاص کے ساتھ جن میں فریڈرک اے کک بھی شامل تھا جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ شمال کی جانب کک کا یہ پہلا ہی سفر تھا اور وہ اس جماعت کیلئے ڈاکٹر کے

سے فرائض انجام دے رہا تھا۔

جب وہ شمال کی جانب گئے تو پانی میں ڈوبا ہوا برف کا ایک بہت بڑا ٹکڑا جہاز سے آ ٹکرایا اور اس کا ہتھا پہیہ ٹوٹ گیا۔ اس لکڑی کے پہیئے کا ایک ٹکڑا پیئری کی ٹانگ سے آ ٹکرایا اور اس کی ٹانگ دو جگہ سے ٹوٹ گئی۔ ڈاکٹر کک نے اس کی ٹانگ باندھ دی۔ دوسرے لوگ یہ چاہتے تھے کہ پیئری کو اسی جہاز سے ممالک متحدہ واپس بھیجا جائے مگر وہ اس کے لئے راضی نہ ہوا۔ جب جہاز خلیج انگل فیلڈ پہنچا تو لوگ اسے ساحل پر لے گئے جہاں اس کی جماعت موسم سرما گزارنے کے لئے ٹھہر گئی۔ پانچ ہفتے کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو سکا۔ مگر اس دوران میں وہ خیمہ لگانے کے کام کی نگرانی کرتا رہا۔

آرکٹک کی طویل رات شروع ہونے سے پہلے پہلے انہیں سردی کے لئے گوشت کا ذخیرہ جمع کرنا تھا۔ پیئری، کک، مسز پیئری، میٹ ہین سن اور دو اسکیمو ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہیں برف کے ایک بہت بڑے چپٹے ٹکڑے پر بہت سے سمندری گھوڑے دکھائی دئے۔ انہوں نے ایک پر نشانہ لگایا اور پھر جو کچھ ہوا اس کے بارے میں پیئری نے لکھا ہے "چند منٹ کے بعد ہی ایک نیا اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ تجربہ ہوا ہمیں کچھ جانور پانی میں دکھائی دئے اور ہم نے ان میں سے دو مار لئے۔ بقیہ ہم پر خفا ہو گئے اور یکایک ہم شکاری کے بجائے شکار بن گئے۔ ان خفا ہونے والے جانوروں کی تعداد شاید سو کے قریب ہو گی انہیں کشتی سے دور رکھنا ہمارے لئے انتہائی مشکل کام ہو گیا تھا ہماری بندوقیں مسلسل سر ہوتی رہیں۔ اس شور میں اضافہ کرنے کے لئے اکراتا میں ایک ایسکیمو نے اپنا ہارپون (یعنی مچھلی کے شکار کرنے کا بھالا نما آلہ) کشتی پر مارنا شروع کیا اور بہت ہی عجیب و غریب انداز سے چیخنے چلانے لگا۔ اس تمام عرصہ میں مسز پیئری بہت ہی پرسکون رہی انہوں نے کشتی کے پیندے میں بیٹھ کر پیئری کی ڈبل بور لائٹنگ کو اپنے جسم سے ڈھک لیا تھا۔ دوسروں

کی وحشیانہ حرکتوں سے اس میں چوٹ نہ لگ جائے۔ وہ خاموشی کے ساتھ ہیں۔ بندوقیں بھر بھر کر دیتی رہی اس کی بنا پر ہم ان جانوروں کی طرف برابر گولی چلاتے رہے یہاں تک کہ گولیوں اور چیخ پکار کے شور سے وہ مڑے اور ہمیں چھوڑ کر چل دئیے۔

سورج کے غروب ہونے تک ان کے پاس تو ہم سمرغ کے کافی گوشت موجود تھا اور سینکڑوں چھوٹے چھوٹے پرندے بھی تھے۔ جو اسکیموؤں اور آرکٹک کے مہم جویوں کے نزدیک بہت اہم خوراک تصور کئے جاتے ہیں۔

اس کے کئی سال بعد جارج بوریپ نے جو کہ ۱۹۰۹ء میں پیئری کی قطب کی کالیا۔ ہم کاکن تھا اک نامی پرندوں کے بارے میں اس طرح لکھا ہے: پہاڑ کی چوٹی پر ہم نے اسکیموؤں کی چھوٹی چھوٹی آک پکڑنے کی ترکیبیں دیکھیں جو آپ کو کرنا پڑے گا۔ وہ صرف یہ ہے کہ آپ چٹان پر بیٹھ جائیں آپ انہیں نظر آئیں یا نہ آئیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا جب آک سمندر سے لوٹتی ہیں جہاں کہ وہ اب تک اپنی خوراک حاصل کر رہی تھیں۔ تو وہ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ہوتی ہیں۔ پرندے یہ لگتے ایک بڑے دھارے کی مانند ہوتی ہیں۔

ان کی زبردست تعداد کے بارے میں آپ کچھ بتا نہیں حقیقی صورت حال بیان کرنا قطعی ناممکن ہے۔ یہ زیادہ اونچی نہیں اڑتی ہیں۔ آپ صرف دیوانہ وار ان کی طرف جھپٹے آپ یقیناً بہر پکڑ ہی لیں گے۔

خلیج آزادی کی دریافت

تاریک سردیاں ختم ہو چکی تھیں۔ برف کے سفر پر اپنے ساتھ لیجانے کے لئے پیئری نے صرف ایک آدمی کا انتخاب کیا تھا وہ ڈینمارک کا ایک نوجوان آدمی تھا ایسٹرپ۔ پیئری کا عقیدہ تھا کہ چھوٹی سی جماعت بڑی جماعت سے بہتر رہے گی۔ گبسن نامی ایک شخص اور ڈاکٹر کک ان کے ساتھ شروع کے ۱۳۰ میل تک گئے تاکہ انہیں رسد پہنچانے میں مدد دے سکیں اس کے بعد وہ کیمپ واپس آ گئے۔

یہ کھوج لگانے والے ۲۳ مئی ۱۸۹۲ء کو تین سلیج گاڑیوں میں سامان لے کر روانہ ہوئے
انہوں نے شمال مشرق کا رخ کیا۔ سورج کی چندھیا دینے والی روشنی سے بچنے کے لئے وہ رات کو سفر
کیا کرتے تھے۔ روزانہ وہ سخت برف پر لمبے لمبے مارچ کرتے رہتے جب طوفان آتے تو رک جاتے
برف میں بڑے بڑے سوراخ یا چھوٹی چھوٹی جھیلیں آ جاتیں تو کاٹ کاٹ کر نکل جاتے کبھی کبھی ان
لوگوں کو اپنے بھاری کپڑوں کی بنا پر سخت گرمی محسوس ہوتی تھی۔

انہیں زمین ۲۶ جون کو نظر آئی اس کے پانچ دن بعد انہیں برف کے میدان میں ایک
وسیع کھلی ہوئی جگہ نظر آنے لگی انہیں ہر چند میل کے بعد ایک نہ ایک اونچی سی برف کی دیوار سے
اترنا پڑتا تھا اور برف کے چشموں کو پار کرنا پڑتا تھا ٹوٹے ہوئے پتھروں کے بہت بڑے میدان
پر سفر کرنا انہیں بہت ہی مشکل معلوم ہوتا تھا اس سے اُن کے جوتے اس بری طرح سے کٹ گئے
تھے کہ ان دونوں کو اپنے پیروں کو ڈھکا ہوا رکھنے کے لئے ہیٹ اور کپڑوں کے ٹکڑے
استعمال کرنا پڑے۔

۲۶ میل کے بعد وہ ایک سطح مرتفع یعنی ایک اونچے ہموار میدان پر چلنے لگے۔ اس
دوسرے جانب اتنا نشیب تھا کہ ۳۸۰۰ فٹ اونچی دیوار بن گئی تھی۔ نیچے سمندر کی ایک بہت
بڑی خلیج بنی ہوئی تھی اب انکے سامنے نئی نئی زمینیں اور نئے نئے پانی تھے۔ جیسا کہ کھوج لگانے
والوں نے ہمیشہ کیا ہے پیئری نے بھی انکے نام رکھنے شروع کر دئے انکے نیچے جو پانی پھیلا ہوا دکھائی
دے رہا تھا اس کا نام اسنے خلیج آزادی رکھا۔

ان دونوں کے لئے یہ یقین کرنا مشکل معلوم ہو رہا تھا کہ وہ گرین لینڈ کے شمالی
ساحل پر کھڑے ہوئے تھے کیونکہ سورج ان کے چاروں طرف گرم گرم روشنی پھیلا رہا ہوتا
تھا اور انکے قدموں کے سامنے پیلے پیلے پھول کھلے ہوئے تھے۔

اس علاقہ کو یادگار کرنے کا ریکارڈ قائم رکھنے کے لئے انہوں نے اس جگہ پر بہت کچھ
جمع کر دیے تاکہ یہ محفوظ رہ سکے ۱۹۲۱ء میں یعنی بیس سال سے بھی زیادہ عرصہ بعد ڈینمارک کے

مشہور کھوج لگانے والے نونڈ راس مُشین کو یہ ریکارڈ اسی طرح ملا۔

یہاں پیئری نے یہ عبارت درج کی تھی "خلیج میک کارمک سے چل کر اندرونی برف کو پار کرتے ہوئے میں آج کے دن آئی وینڈ ایس ٹرپ نامی ایک شخص اور آٹھ کتوں کی معیت میں اس مقام پر پہنچا ہوں۔ ہم نے پانچ سو میل سے زائد سفر کیا ہے اور ہم دونوں اور ہمارے کتے بالکل ٹھیک ٹھاک حالات میں ہیں۔ ہم نے پانچ سو کی یاد میں کہ جس دن ہماری اس پر نظر پڑی تھی اس مقام کا نام خلیج آزادی کا رکھا ہے۔ کیونکہ یہ دن تمام امریکیوں کی نظر میں بہت عزیز ہوتا ہے کل میں یہاں سے واپس ہو رہا ہوں۔"

مہم جو اور محقق پیٹر فریوشین نے جو کہ راس مُشین کے ساتھ ہی تھا۔ لکھا ہے۔ کہ انہیں اس وقت بھی پیئری اور ایس ٹرپ کے قدموں کے نشانات دکھائی دے رہے تھے جنہیں بیس سال سے بھی زائد ہو چکا تھا۔

خلیج آزادی کی دریافت کے دوسرے دن پیئری اور ایس ٹرپ واپس روانہ ہو گئے۔ انہیں بہت ہی برے موسم کا سامنا کرنا پڑا۔ برف پر واپسی کے دوران بڑی تیز ہوائیں چل رہی تھیں اور برف کے طوفان آرہے تھے۔ ان کے کئی کتے آگے سفر نہ کر سکے۔ اس لیے انہوں نے کاٹ کر دوسرے کتوں کو کھلا دیا۔ ۱۳ اگست کو یعنی آغاز سفر کے تین مہینے کے بعد یہ لوگ اپنے کیمپ میں واپس پہنچ گئے انہوں نے ۱۲۰۰ میل کا سفر کیا تھا۔ حالانکہ پیئری یہ ثابت نہیں کر سکا تھا کہ گرین لینڈ جزیرہ تھا مگر اس کا قوی امکان ضرور دکھا دینے لگا تھا۔

گرین لینڈ کی تیسری مہم سنہ ۱۸۹۳ء تا ۱۸۹۵ء

امریکہ واپس آنے کے پیئری کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ بعد کے زمانہ میں وہ کہا کرتا تھا "آئندہ مہم کی تیاری شروع ہونے کا وقت وہ ہے جب کہ آپ کسی کامیاب مہم سے لوٹے ہوں۔" آٹھ آدمیوں کی سماج

گاڑیوں کے ساتھ جماعت کے ساتھ گرین لینڈ کا کھوج لگانے کا منصوبہ اس نے پھر بنایا۔ یہ طے کیا گیا کہ خلیج آزادی تک پہنچ کر شمال اور جنوب دونوں سمتوں کا حال معلوم کرنے کی خاطر تین گروہوں میں بٹ جائیںگے

بحریہ سے جانے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں تھا مگر کافی عرصے کے بعد اس نے پیئری کو تین سال تک کھوج لگاتے رہنے کی اجازت دے دی اس سلسلے میں جو کچھ رقم درکار تھی اس کا کافی بڑا حصہ تو پیئری کو عوام کے سامنے کی ہوئی تقریروں سے حاصل ہو گیا ننانوے دن کے عرصے میں اس نے عوام کے سامنے ۱۶۵ تقریریں کیں۔

۸ جون ۱۸۹۳ء کو یہ جماعت فلیڈلفیا سے "فیلکن" (بمعنی باز) جہاز روانہ ہو گئی (۱۴) افراد کے اس گروہ میں مسز پیئری بھی تھیں جو کہ امید سے تھیں ان کی دیکھ بھال کے لئے مسز سونسن جیسے کراس جا رہی تھیں

گرین لینڈ میں خلیج انگل فیلڈ سے ملحقہ بوڈوئن کی کھاڑی کے کنارے انہوں نے ایک مکان بنایا۔ ۲۰ اگست کو "فیلکن" گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ ۱۲ ستمبر کو مسز پیئری کے یہاں ایک بچی پیدا ہوئی اس کا نام میری آہنی گیٹو پیئری رکھا گیا۔ اس کے نام کا دوسرا حصہ ایک بہت بڑے شہاب یعنی خارجی خلا سے گرنے والے پتھر کے بہت بڑے ٹکڑے کا نام تھا پیئری نے اسے اپنے اسی سفر کے دوران دریافت کیا تھا۔ اس بچی کو برفانی بچہ کے نام سے بھی پکارا جانے لگا۔

اس مہم کے اتنے اچھے نتائج برآمد نہیں ہوئے جتنی کہ پیئری کو توقع تھی۔ کئی آدمی بیمار ہو گئے یا برفانی علاقہ کی سخت زندگی کی تاب نہ لا سکے۔ تین سال کے خاتمہ تک پیئری گرین لینڈ کو ایک مرتبہ اور پار کر چکا تھا اسے اس کے موسم کے بارے میں بھی کافی معلومات حاصل ہو گئی تھیں مگر وہ کوئی ایسا کام انجام نہیں دے سکا تھا۔ جو عوام کے نزدیک بہت زیادہ دلچسپی کا موجب بنتا۔ بہر حال دنیا کے عظیم ترین شہابوں کی دریافت نے کم از کم عوام

ر موضوع تحقیق عطا کر دیا۔

دنیا کے عظیم ترین شہابوں کی دریافت

۱۸۱۸ء میں آرکٹک کے ایک کھوج لگانے والے

ستان جان۔ اس نے اسکیموؤں سے ایک "لوہے کے پہاڑ" کا تذکرہ سنا تھا۔ ر اس نے دیکھا تھا کہ اسکیموؤں کے کاٹنے پیٹنے والے آلات اور ہاربوروں کی نوکیں لوہے کی بنی ہوئی ہیں۔ اس نے سوچا تھا کہ شاید یہ لوہا کسی شہاب سے حاصل کیا ہو گا۔ ۷۵ سال تک اسکیموؤں نے شہاب کا اتا پتہ کسی کو نہیں بتایا کیونکہ انہیں لوہے کی ضرورت پڑتی تھی اور اندیشہ یہ تھا کہ کوئی اسے اٹھا لے جائے گا۔ مگر پیئری ان کا دوست بن گیا تھا وہ اسے اس جگہ لیجانے کیلئے آمادہ ہو گیا تھا۔

پیئری اپنی جماعت کے ایک رکن اور ایک اسکیمو کو لے کر روانہ ہو گیا۔ یہ اس کی زندگی کے سخت ترین سفروں میں سے تھا۔ موسم مستقل طور پر بہت ہی خراب رہا۔ انہیں ٹوٹی ہوئی برف اور کھلے پانی پر بہت ہی خوفناک موڑ سے سابقہ پڑا۔ مگر پیئری کو وہ شہاب مل ہی گئے۔ سمندر کے نزدیک تین شہاب پڑے ہوئے تھے۔ بہت پرانے زمانے میں کسی وقت آسمان سے گرے تھے۔

اسکیموؤں نے ایک شہاب کا نام "عورت" رکھا تھا کیونکہ انہیں وہ زمین پر بیٹھی ہوئی عورت کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ دوسرے کا نام "کتا" تھا۔ سب سے بڑا اس سے کچھ میل دور رہتا۔ اس کا نام "آہنی کھیتم" یعنی "مکان" تھا۔ دونوں چھوٹے شہاب چٹانوں سے نیچے ہوئے تھے مگر آہنی کھیتو پانی سے سو گز فاصلہ پر تقریباً پورا کا پورا زمین سے ڈھکا ہوا تھا۔ پیئری کو دکھائی دے رہا تھا کہ یہ دنیا کے تمام شہابوں سے بڑا ہے۔ یہ تینوں سائنسی نقطہ نظر سے بہت ہی اہم تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اسے انہیں نیویارک ضرور لیجانا پڑے گا مگر یہ کام

بہت ہی مشکل ہو گا۔

کیمپ واپس آنے کے بعد ان لوگوں نے بغیر کچھ کھائے چار دن میں دو سو میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ برف بہت دبیز تھی۔ انہیں برفانی دریاؤں (گلیشیر) پر سے ۔۔۔ سے ۔۔۔ سو فٹ کی بلندی تک چڑھنا پڑا۔ ایک مرتبہ انہیں کتوں اور سلیج گاڑیوں کو ایک چٹیہ پر لاد کر برف کی ایک دیوار پر چڑھنا پڑا تھا۔

بعد میں پیئری نے ان شہابیوں کو دوبارہ دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر گھنی برف اور طوفانوں کی بنا پر اسے کامیابی نہ ہو سکی تھی۔ کوششوں کے باوجود وہ ۱۸۹۵ء سے پہلے اپنے جہاز میں بیٹھ کر ان شہابیوں تک نہ پہنچ سکا۔ بڑی دقتوں کے بعد دو چھوٹے شہابیوں کو جہاز پر لاد دیا گیا تھا مگر آہن گیٹو کو اپنی جگہ سے ہلایا بھی نہ جا سکا آنے والی سردی میں یخ بستہ ہو جانے کے خوف کی بنا پر جہاز کو روانہ ہو جانا پڑا۔

اگلے سال یعنی ۱۸۹۶ء میں پیئری پہلے سے بڑے جہاز میں سوار ہو کر اور وزن اٹھانے کے زیادہ طاقت ور آلات سے مسلح ہو کر شمال کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے اور اس کے آدمیوں نے مشینوں کی مدد سے اس زبردست شہاب کو بڑی دقت کے بعد بہت ہی آہستہ آہستہ زمین میں سے اٹھایا جہاں کہ یہ سینکڑوں سال سے پڑا ہوا تھا۔ یہ اسقدر وزنی تھا کہ لکڑی اور لوہے کی مشینیں اسے اٹھانے میں ٹوٹ ٹوٹ گئیں یا زمین میں دھنس گئیں۔

یہ کام بہت ہی آہستہ آہستہ ہوتا رہا۔ چنانچہ اس شہاب کو ساحل تک پہنچانے سے پہلے ہی اس کھاڑی میں بڑی تیزی کے ساتھ برف آنے لگی۔ لہذا جہاز کو جلدی جلدی وہاں سے ہٹانا پڑا ورنہ وہ برف کے تودوں کی ٹکر سے انڈے کی طرح پاش پاش ہو جاتا۔

۱۸۹۷ء میں پہلے سے بھی زیادہ طاقت ور مشینیں لے کر پیئری اسی جہاز میں پھر شمال کی جانب روانہ ہوئے۔ ساحل سے جہاز تک ایک پل بنا دیا گیا تھا۔ اس زبردست شہاب کو ایک ایک فٹ آہستہ آہستہ سرکاتے ہوئے پل پر سے کھینچا گیا۔ اس کے بعد یہ لنگر اٹھانے والے جلدی جلدی روانہ ہو گئے۔ کیونکہ تکلیف دہ موسم آنے ہی والا تھا۔ ایک بڑے

...ر کا طوفان آیا۔ انہیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں یہ شہاب جہاز کی دیوار توڑتا ہوا گر اور سب کو ...ڑتا ہوا نکل نہ بھاگے۔ مگر خیریت ہوئی کہ وہ اس میں سے بحفاظت تمام نکل آئے۔ اس شہاب ...نیویارک تک لے آنا پیئری کی زندگی کے انتہائی قابل فخر کارناموں میں سے تھا۔

آج آپ ان تینوں شہابوں کو نیویارک کے فطری تاریخ کے عجائب گھر میں دیکھ سکتے ...ں۔ ہزاروں لوگ ہر سال آہنی گیتھو کے قریب سے گذر جاتے ہیں مگر شاید ہی کسی کو اس ہمت شکن ...بد و جہد کا اندازہ ہوتا ہوگا جو اس کے حصول میں صرف ہوئی اور اس بجان جوکھوں میں ڈالنے ...الے سفر کا جو اسے گرین لینڈ کے ساحل سے اس کے موجودہ مقام تک پہنچانے کے لئے ...کیا گیا۔

قطب شمالی تک پہنچنا پیئری کی زندگی کا عظیم کارنامہ بن جاتا ہے
۱۸۹۸ء تا ۱۹۰۳ء

امریکہ واپس پہنچنے کے بعد پیئری نے یہ طے کر لیا تھا کہ قطب شمالی تک پہنچنا اس کی زندگی کا زبردست کارنامہ ثابت ہوگا۔ ۱۸۹۶ء میں لندن میں جب رائل جیوگرافیکل سوسائٹی نے ...ے اعزاز بخشا تھا تو اس نے اسے اپنے منصوبوں کے بارے میں بتایا تھا۔ امریکن جیوگرافیکل سوسائٹی سے وہ اپنے منصوبوں کے بارے میں پہلے ہی گفتگو کر چکا تھا۔ وہ بہت ہی مضبوط قسم کا مخصوص جہاز چاہتا تھا جو بحر آرکٹک میں برف کو کاٹتا ہوا چلا جائے۔ ایک انگریزی اخبار کے افسر اعلیٰ لارڈ نارتھ کلف نے اسے اس قسم کے جہاز موسوم بہ "ونڈورڈ" کی پیش کش کی۔

موریس جیسپ امریکہ کے نطری تاریخ کے عجائب گھر، امریکن جیوگرافیکل سوسائٹی اور پیئری اور پیئری کے دوست نام رکھنے والی کمیٹی تینوں کا صدر تھا۔ اس نے اور چند اہم اشخاص نے اس سفر کے لئے روپیہ فراہم کرنے میں اس کی مدد کی مگر تجربہ پیئری کو مزید تنت...

دینے کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے اس نے اپنے فرض منصبی پر حاضر ہونے کا حکم دیا۔

اس وقت ایک تاجر جس نے کہ ولیم میک کنلی کی صدر کا صدر بننے میں مدد کی تھی پیری کے مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے سیدھا صدر کے پاس چلا گیا۔ چنانچہ پیری کو دوبارہ روانہ ہونے کی اجازت مل گئی۔ مسٹر جیسپ کے ۲۰ دوستوں نے اسے ایک لاکھ ڈالر دینے کا وعدہ کیا تھا مگر سپین کے ساتھ جنگ چھڑ گئی اور صرف آٹھ اشخاص اپنا وعدہ نبھا سکے۔ مزدوروں نے ہنگاموں کی بنا پر "ونڈورڈ" میں ہاتھ مشینیں بھی نہ لگائی جا سکیں۔

اسی زمانے میں آرکٹک کے ایک تجربہ کار کھوج لگانے والے سورڈرپ نے کہا کہ وہ قطب کا پتہ لگانے کے لئے جہاز میں روانہ ہو رہا ہے۔ پیری کی استدعا نہ کر سکا اور ایک جہاز "فریم" میں روانہ ہو گیا اور ونڈورڈ آہستہ آہستہ پیچھے چلتا رہا۔

سورڈرپ اپنے جہاز کو آرکٹک میں نہ دھکیل سکا۔ اسنے قطب پر پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔ کبھی کبھی وہ اور پیری دونوں ایک ہی مقام پر پہنچ جاتے تھے۔ پھر دونوں اس بات پر متفق نہیں ہو پاتے تھے کہ زمین کے وہ بڑے بڑے خطے ان میں سے کس نے دریافت کیے ہیں۔ بعد میں سورڈرپ نے یہ کہا تھا کہ اسے یقین ہے کہ قطب شمالی کو دریافت کرنے والا ڈاکٹر کُک ہی ہے۔

پیری نے بھی محسوس کیا کہ وہ برف کو توڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ مگر ونڈورڈ کیپ ہین کے برف میں پھنس گیا جو کہ کافی جنوب میں واقع تھا۔ پیری کو قطب کے لیے روانہ ہونے سے پہلے چار سو میل تک اپنا زاد راہ لے کر جانا تھا اور پھر قطب یہاں سے برفانی سمندر کی راہ سے مزید چار سو میل دور تھا۔ اس نے اپنا زاد راہ خشکی پر اتار دیا اور اسے فورٹ کانگر لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ وہ کیمپ تھا جو پندرہ سال پہلے موسم سرما بسر کرنے کے لئے گریلے نے بنایا تھا۔

فورٹ کانگر روانہ ہونے سے پہلے پیری نے کیپ ہین سے [illegible] تو ل

کے حالات کا پتہ چلایا۔ یہاں اس کی ملاقات سورڈرپ سے ہو گئی۔ حالانکہ ان دونوں مہم جوؤں نے وقت ملاقات مصافحہ کیا تھا۔ مگر ان کی ملاقات کا انداز دوستانہ نہیں تھا۔ اس کھوج کے ذریعہ پیئری نے یہ ثابت کر دیا کہ یہاں "شمالی بینڈ" کا وجود نہیں تھا جیسا کہ گریلی نے دعوٰی کیا تھا۔

فورٹ کانگر

۱۹۰۰ء کی سرما میں پیئری نے کتوں کے ذریعہ اپنا زادِ راہ فورٹ کانگر پہنچانا شروع کیا۔ اس نے لکھا ہے کہ وہ شخص جسے اس قسم کا تجربہ نہ ہو چکا ہو۔ اس وقت تصور بھی ہرگز اندازہ نہیں لگا سکتا۔ زادِ راہ کو ساحل کے کنارے برف کی خوفناک دیواروں پر سے گزارتے ہوئے تاریکی یا نیم تاریکی میں لے جانا پڑتا تھا۔ سرما بلا کا سرد ہو رہا تھا اس نے پیئری کے کھوج رکھنے کے کام کا تقریباً خاتمہ ہی کر دیا تھا۔ جو بیس گھنٹے کی رات میں صرف چند گھنٹوں کے لئے چاندنی ہوا کرتی تھی۔ سمندر کی برف پر سفر شروع کرنے کا مقام اس سے زیادہ دور نہیں رہا تھا۔ برف کی دیواروں کے مقابلے میں اس پر چلنا نسبتاً آسان تھا۔ آخر کار اس کی تمام خوراک منتقل ہو گئی۔

اس کے بعد چاند غروب ہو گیا۔ برف کی دیواروں پہ سفر کرنے کے لئے انہیں مناسب روشنی نہیں مل رہی تھی۔ وہ سمندر کے برف پر ٹٹول ٹٹول کر ایک ایک فٹ راستہ طے کر رہے تھے۔ اس کے بعد انہیں بڑی فرینکلن کی ٹوٹی ہوئی برف کو تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر گھنٹے تک مکمل تاریکی میں چلتے ہوئے پار کیا۔ ساحل پر برف کی دیوار سدِّ راہ بن گئی تھی۔ مگر کسی نہ کسی طرح انہیں اس میں سے راستہ مل ہی گیا۔ کئی گھنٹے بعد وہ قدیم فورٹ کانگر کے دروازے میں سے تقریباً گر پڑے۔ یہاں انہیں [illegible] ہوئی۔

پیئری کو اپنے پاؤں لکڑی کے سے محسوس ہونے لگے۔ جوتے اتارنے پر ڈاکٹر ڈیڈ بلاک اس کے پاؤں زخ بستہ ہو چکے تھے اسے اپنے پاؤں کے مختلف حصے ڈیڈرک کی ... کرنے پڑینگے اور اس طرح وہ چند ہفتوں تک چلنے پھرنے کے قابل نہ رہ سکے گا۔

وہ چھ ہفتے کے طویل عرصے تک فورٹ کانگر کی پرانی عمارت میں نیم تاریکی میں پڑا رہا منجمد پاؤں میں اسے بڑی سخت تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ اب معلوم ہوتا کہ اس کی قطب تک پہنچنے کی توقعات ختم ہو چکی ہیں مگر اس کا حوصلہ اسے رک جانے کی ہرگز اجازت نہیں دے رہا تھا۔ انتہائی مایوسی کے لمحات میں اس نے دیوار پر یہ لکھا تھا "میں راستہ تلاش کر دوں گا یا خود بنا لوں گا۔

جوں ہی وہ چند منٹ تک کھڑا رہنے کے قابل ہوا اس نے "ونڈورڈ" کی جانب لوٹ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جہاز پر اس کے مردہ حصوں کو کاٹ کر علیحدہ کیا جاتا تھا۔ پیئری کو ایک سلیج پر باندھ کر یہ جماعت اپنے ۲۵۰ میل کے سفر پر چاندنی رات میں روانہ ہو گئی۔ اسے مردوں سی سفید پہاڑیاں بلند ہو کر ایک بے جان گہرے نیلے آسمان کو چھوتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں اور کھاڑی کے آس پاس تاریک ساحل نظر آ رہا تھا پچھلے چھ ہفتوں کی تاریکی ڈراؤنے خواب کی مانند اسکے ساتھ ساتھ رہی۔

۱۳ مارچ کو پیئری کے دونوں پاؤں کے اگلے حصوں کو کاٹ ڈالا گیا۔ انکے اچھا ہونے سے پہلے ہی اس نے کین بیسن کے مغرب کی خشکی کا کھوج لگانے کے لئے کئی سفر کئے۔ اب قریب قریب گرما کا موسم آ چکا تھا اور کچھ مقامات پر تو لوگوں کو اس گہرے گہرے پانی میں ہو کر چلنا پڑتا تھا۔ جو برف کو ڈھکے ہوئے تھا۔ اس سے پیئری کے پاؤں کو بڑی تکلیف پہنچتی تھی۔

اس دوران میں پیئری کے ایک بڑے اچھے دوست مورس جیسپ کی سرگردگی میں چند لوگوں نے پیئری آرکٹک کلب قائم کی تھی انہوں نے طے کیا کہ جب تک پیئری آرکٹک کے علاقہ میں رہے گا وہ اس کے پاس ہر گرمیوں میں ایک جہاز روانہ کریں گے۔ چنانچہ ۱۲ اگست ۱۸۹۹ء کو "ڈیانا" ایٹہ کے مقام پر پہنچ گیا۔ اس جہاز پر پیئری کا ایک دوست تھا اس نے اس کے زخمی پیئری کی بنا پر اسے گھر واپس لے جانے کی کوشش کی۔ پیئری نے جو جواب دیا وہ یہ تھا "میں صرف اسی وقت جانے کے لئے تیار ہوں گا جب یا تو بحریہ کی ڈیوٹی پر لوٹ جانے کا وقت آ جائے

قطب پر پہنچنے کی اوّلین کوشش

سنہ ۱۹۲۰ میں

یا میں قطب پر پہنچ چکا ہونگا۔

سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے پیری قطب پر پہنچنے کی زوردار کوشش نہ کرسکا۔ تکلیف دہ موسم یا کھلا ہوا پانی اسے واپس بھیج دیتا تھا۔

۵ اگست کو ونڈروڈ مسز پیری اور میری کو لے کر پہنچ گیا اسے واپس لانے کیلئے گئی تھیں اسے آرکٹک میں تقریباً چار سال ہو چکے تھے۔

بڑی بڑی طویل کوششوں کے بعد گرین لینڈ کے انتہائی شمالی گوشے کا پتہ چل گیا تھا اس طرح شمال کے بارے میں جو سب سے بڑے سوالات جغرافیہ دانوں کو درپیش تھے ان میں سے ایک سوال کا جواب مل گیا تھا پھر بھی پیری یہ محسوس کرتا تھا کہ اسے ناکامی ہوئی ہے کیا کوئی شخص قطب تک نہیں پہنچ سکتا تھا؟ پیری "نہیں" کہنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

فلڈلفیا واپس پہنچنے کے بعد پیری نے اپنے منجمد پیروں کا مزید علاج کروانے کے لئے ایک ڈاکٹر کے پاس گیا۔ ڈاکٹر نے کچھ سوالات کر کے پوچھا کہ مسٹر پیری کے ان تخفیف شدہ پیروں کے کناروں پر اس نے کھال کو کہیں اوپر کی طرف چڑھا دیا کہیں نیچے کی طرف جھکا دیا پیری نے بقیہ کھوج انہی غریب پیروں سے لگائی۔

اب وہ یہ جان چکا تھا کہ اسے ایسے جہاز کی ضرورت ہے جو بحر آرکٹک کی برف کو توڑتا ہوا چلا جائے۔ تب بجائے اپنا سفر جنوب کے اور دور دراز علاقے سے سلیج کے ذریعہ کرنے کے وہ زمین کے کسی قریب ترین مقام سے قطب تک جلدی سے پہنچ جائیگا۔ مگر اس قسم کا کوئی جہاز موجود نہ تھا۔ ایسا جہاز بنوانے کیلئے اسے ایک لاکھ ڈالر درکار ہوں گے اس کے دو دوست اس کا آدھا خرچ برداشت کرنے کے لئے راضی ہو گئے بشرطیکہ پیری آرکٹک کلب بقیہ آدھے کا انتظام کرلے یہ کام اسی طرح انجام پا گیا۔ پیری نے اس

جہاز کا منصوبہ تیار کیا اس کا نام اس زمانہ کے کانگ متحدہ کے نام پر "تھیوڈر روز ویلٹ" رکھا گیا۔ روز ویلٹ ۱۹۰۵ء میں بن کر تیار ہو گیا۔ اس کی لمبائی ۸۴ فٹ اور چوڑائی ۳۵ فٹ سے کچھ زائد تھی۔ اس زمانہ میں جو بھی مضبوط ترین سامان ممکن تھا اس کی تعمیر اس سے کی گئی تھی۔

قطب تک پہنچنے کی دوسری کوشش ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۶ء

۱۹ جولائی ۱۹۰۵ء کو روز ویلٹ باب بارٹ لیٹ کی کپتانی میں شمال کی طرف روانہ ہوا۔ پیری اپنے ساتھ ۵۰ اسکیمو اور ۲۰۰ کتے لے گیا۔ وہاں رات دن ایسا شور ہوتا تھا کہ جیسے سنکر کان کے پردے پھٹ جائیں۔

پیری نے اس جہاز کے برف کو توڑتے ہوئے آگے بڑھنے کا منظر اس طرح بیان کیا ہے:۔

مجھے جس قدر بھی تجربات ہوئے ہیں ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز وہ آواز تھی جو روز ویلٹ کے جنبش کرنے اور برف کی طرف جھپٹ کر اسے توڑتے ہوئے آگے بڑھ جانے سے پیدا ہوتی تھی۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ جس وقت یہ جہاز برف کے دو بڑے میدانوں کے بیچ میں پھنس گیا تھا اور اس کے دونوں کنارے دب جانے کی بنا پر اس کا فرش بیچ میں سے اٹھ گیا تھا۔ تو اسے دیکھ کر عجیب سا احساس میرے دل میں پیدا ہوا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ بارٹ لیٹ دیوانہ کی طرح ادھر ادھر اچھلتا کودتا پھر رہا تھا اور جہاز کی طرف اس طرح چیخ رہا تھا جیسے اس کے اندر قوت اور حوصلہ پیدا کر رہا ہو۔ جہاز نے غضب ناک انسان کی طرح برف کا مقابلہ کیا اور جنگلی گھوڑے کی طرح آگے جھپٹتا ہوا نکل گیا۔

جہاز برف سے جنگ کرنے میں جانبر نہ ہو سکا اور ٹوٹ گیا۔ مگر وہ پھنسا نہیں اور پانچ دن تک کیپ برکی او ورٹ میں رکا رہا۔ آخر کار جہاز جدوجہد کے ساتھ

اپنا راستہ بناتا ہوا بحر آرکٹک میں پہنچ گیا اور راس شیری ڈان پر رک گیا۔ یہاں لوگ شکار کھیلنے اور مچھلیاں پکڑنے چلے گئے۔ پیئری نے لکھا ہے کہ مچھلیاں پکڑ پکڑ کر برف پر ڈال دی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ یخ بستہ ہو کر سخت ہو جاتی تھیں پھر انہیں توڑ توڑ کر اسکے منجمد ٹکڑوں کو پھلوں کی طرح کھایا کرتا تھا۔

۶ مارچ کو قطب کی یلغار شروع ہو گئی۔ لوگوں کی جماعتیں کھانا اور رسد رے کر پیئری کے ساتھ گئیں اور ان چیزوں کو پہنچا کر بڑے کیمپ میں واپس آ گئیں۔ سردی بہت شدید تھی۔ مگر اب سورج چڑھنے لگا تھا۔ ہوائیں اتنی تیز چل رہی تھیں کہ اسوقت تک کسی انسان کو ایسی ہوا سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ وہ برف کو اڑا اڑا کر مشرق کیجانب لیجا رہی تھیں۔ برف کے درمیان ایک بہت بڑا دراز تھا "عظیم سپید" کا نام دیا گیا۔ اس کے درمیان صرف کھلا ہوا پانی تھا۔ یہاں انہیں چھ دن تک انتظار کرنا پڑا۔ تب کہیں جا کر وہ اسے پنچی اور نئی تہی ہوئی برف پر پار کرنے لگے۔ یہ ان کے وزن سے ہلتی تھی اور لڑھک لڑھک جاتی تھی لوگوں کو رسد پہنچانے میں بڑی دقت پیش آرہی تھی کیونکہ متحرک برف کی وجہ سے درمیان میں کافی کھلا پانی رہ جاتا تھا یا اتنی بڑی بڑی پہاڑیاں سی بن جاتی تھیں کہ انہیں وہ پار نہیں کر سکتے تھے۔ ایسی حالت میں بھی پیئری نے ہین سن کے ساتھ قطب تک تیزی کے ساتھ یلغار کرنے کا فیصلہ کیا۔

برائے نام سو سو کو سے میں مارچ کرنے کی بنا پر وہ شمال کے اس مقام تک جا پہنچے جہاں تک کوئی انسان نہ پہنچ سکا تھا۔ مگر وہ قطب تک نہ پہنچ سکے۔ اب وہ اور آگے نہیں جا سکتے تھے۔ کیونکہ آگے جانے میں حفاظت کے ساتھ واپس لوٹ آنے کا امکان نہیں تھا۔ لہذا بہت ہی اداسی کے عالم میں پیئری نے اپنا رخ گرین لینڈ کی طرف موڑا کیونکہ اب تر زمین یہی تھی۔

واپسی کا سفر دراصل جان بچانے کی دوڑ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ٹوٹی ہوئی برف

کھلا ہوا پانی۔ طوفان اور ناکافی خوراک نے ان کے جسم کی رہی سہی قوت بھی ختم کر ڈالی مگر یہ لوگ وقفوں پر غالب آتے ہوئے جنوب کی طرف برابر بڑھتے گئے۔

سفید سفید برف پر سورج کی روشنی اتنی تیز تھی کہ پیری تقریباً اندھا ہو گیا۔ تھوڑی تھوڑی دیر میں وہ اپنی آنکھوں کی تکلیف کم کرنے کے لئے برف کی طرف اپنا چہرہ جھکا لیتا تھا۔ "عظیم سیسہ" کے قریب برف بننے کا انتظار کرنے کے لئے انہیں پھر پانچ دن تک انتظار کرنا پڑا تب ایک لفظ بولے بغیر تقریباً سانس روکے ہوئے انہوں نے اس نو منجمد اور پتلی برف پر سے بڑی تیزی سے پار کر لیا۔ ابھی انہوں نے پار کیا ہی تھا کہ ان کے پیچھے کی برف درمیان میں سے پھٹ گئی۔ اگلی تین منزلوں کا راستہ انہوں نے ٹوٹی ہوئی برف کے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر طے کیا۔ ایسے پہاڑ انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے پیری کو اپنے پیروں میں سخت تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔

جب وہ گرین لینڈ کے ساحل پر پہنچے تو انہیں اس قدر بھوک لگی ہوئی تھی کہ ان کا دم نکلا جا رہا تھا۔ ان کی جان جنگلی جانوروں کے گوشت نے بچائی۔ اس موقع پر شکار سے لطف اندوز ہونے کا انہیں خیال تک نہیں آیا۔ وہ صرف گوشت کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ انہوں نے اسے پکایا بھی نہیں بلکہ جانور کے جسم کے کاٹتے ہی اس نرم اور نیم گرم گوشت کو کچا ہی کھا گئے۔ وہ کھاتے چلے گئے۔ انہوں نے کھانا اس وقت بند کیا جب ان سے کھایا نہیں گیا۔

روز ویلٹ کا سفر شروع کرنے سے پہلے وہ لوگ دو دن تک صرف کھاتے رہے اور سوتے رہے۔ وہ ایک سو بیس کتوں کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ واپسی پر اس کے پاس صرف ۱۴ بچے تھے۔ باقی کتے یا تو دوسرے کتوں کو کھلا دیئے گئے تھے یا انہیں یہی لوگ کھا گئے تھے۔ عجیب موسم اور متحرک برف کی بنا پر پیری قطب تک نہیں پہنچ سکا مگر اس نے طے کر لیا کہ وہ پھر کوشش کرے گا۔

گرانٹ لینڈ کے ساحل کی کھوج

گھر پہنچنے کے لئے جہاز کا رُخ جنوب کی جانب موڑنے سے پہلے پیئری نے طے کیا کہ وہ گرانٹ لینڈ کے تین سو میل طویل ساحل کی کھوج لگائے گا کیونکہ اب تک اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ اس سفر میں ان کی ملاقات سٹور ڈروپ کی مغرب والی مہم سے ہو جائے گی۔ پیئری نے سفر کا آغاز موسم گرما کا حصہ گذر جانے کے بعد کیا اس نے اپنا کام ختم کیا۔ مگر اسے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ وقتاً فوقتاً انہیں برفیلے پانی میں ہو کر چلنا پڑا۔ جو ان کے کندھوں تک پہنچ جاتا تھا۔ انہوں نے اپنی خوراک کتنے مار مار کر حاصل کی۔ مگر ان کی سب سے بڑی تکلیف یہ تھی کہ ان کے کپڑے کبھی سوکھے ہی نہیں پیئری کے جوتے کھل کر علیحدہ ہو گئے تھے ۔ اس کے پاؤں کی حالت بہت ہی خراب تھی۔ ان میں برابر تکلیف ہوتی رہی۔ جب وہ جہاز پر پہنچا تو تقریباً اس کا کام تمام ہو چکا تھا۔

جہاز پر بہت برا واقعہ گذرا۔ روزویلٹ ساحل کے کنارے کی برف کی دیوار سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ اس کے چند اہم اجزا ٹوٹ گئے تھے۔ پیئری نے اس خبر کو بڑے اطمینان کے ساتھ سنا۔ اگلے دن اس نے کپتان بارٹلیٹ سے کہا "کپتان ہمیں اسے پھر حاصل کرنا ہے۔ ہم آئندہ سال پھر آ رہے ہیں" قطب تک پہنچنے کی کوشش کے بارے میں وہ پہلے ہی سوچ رہا تھا۔

پیئری جب اس سفر سے جو اس کی ساتویں مہم تھی، نیویارک پہنچا تو اس کی عمر ۵۰ سال سے زائد ہو چکی تھی۔ ان میں ۲۰ سال تو آرکٹک میں یا وہاں جانے کی تیاریوں میں صرف ہوئے تھے۔ پیئری یہ جانتا تھا کہ اس کی زندگی کے بہترین سال گذر چکے تھے۔ اس آخری سفر نے تو اس کی بہت سی طاقت سلب کر لی تھی مگر وہ سوچتا تھا کہ سمندر کی برف کے بارے میں اسے جو کچھ معلومات حاصل ہوئی تھیں اُن سے اُسے قطب تک پہنچنے میں مدد ملے گی۔

پیئری یہ جانتا تھا کہ آئندہ سفر اس کا آخری سفر ہوگا۔ مسٹر جیسپ اور پیئری
آرکٹک کلب کی کوششوں سے پیئری کو اتنی رقم مل گئی کہ اس نے روز ویلٹ کو
ٹھیک ٹھاک کروالیا۔ اور زادِ راہ خرید لیا۔ پیئری کو امید تھی کہ وہ پہلی جولائی کو
روانہ ہو جائے گا۔ مگر جہاز کا کام مکمل نہیں ہوا۔ ٹھیک اسی وقت پیئری کے
گہرے دوست اور مددگار مسٹر جیسپ کا انتقال ہو گیا۔ یہ صدمہ بہت ہی سخت تھا
مگر پیئری یہ جانتا تھا کہ اس کا تصور اس قدر اہم تھا کہ وہ ہرگز نہیں
مر سکتا تھا۔

پیئری سے ملاقات

پیئری سے میری اوّلین ملاقات سنہ ۱۹۰۷ء کے موسم سرما میں ہوئی۔ کالج سے فراغت
پا کر میں نے فطری تاریخ کے امریکی عجائب گھر میں کام شروع کیا تھا۔ کئی سال سے میں
یہ سوچا کرتا تھا کہ پیئری سے عظیم تر انسان کوئی نہیں تھا۔ اب وہ شام کو عجائب
گھر میں تقریر کرنے والا تھا۔ میں اس کی آمد تک عظیم شہاب آہنی کیٹو کے نزدیک
اس کا انتظار کرتا رہا۔ وہ اکیلا اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے رک کر اپنا ہاتھ
لوہے کے اس زبردست ٹکڑے پر پھرایا۔ اس کی آنکھیں کسی دور دراز جگہ کو دیکھتی
ہوئی نظر آرہی تھیں۔ میں جانتا تھا کہ اس وقت اس کی آنکھیں گرین لینڈ سے
شہاب کے لانے کے منظر کو سمندر کے غیض و غضب کو اور لہروں کے خلاف
جد و جہد کرتے ہوئے جہاز کو دیکھ رہی تھیں۔ اس کے بعد وہ صدر عجائب خانہ کے
دفتر میں چلا گیا۔

جب میں نے پیئری کی تقریر سنی تو مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کہ میں ایک
اور ہی دنیا میں پہنچ گیا ہوں۔ برف باری، غضبناک طوفان اور بہتے
ہوئے برف کی دنیا میں۔ اس نے اپنی کہانی بڑی سادگی سے بیان کر دی

ر مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے کس قدر تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ میں یہ محسوس کر سکتا تھا کہ اب دوسرے انسان جہاں تک پہنچ سکتے تھے۔ شمال میں اس سے بھی آگے پہنچ جانے کا مفہوم تھا۔ مگر وہ قطب تک پھر بھی نہیں پہنچ سکا تھا۔

اگلے دن میں اس سے ملا۔ اس کے سامنے مجھ سے بات بھی نہیں کی گئی۔ اس کے نزدیک تو میں صرف ایک خاموش نوجوان تھا اور میرے نزدیک وہ ایک ایسا ہیرو تھا جس کے بارے میں میں خواب دیکھا کرتا تھا۔

اس کے چند مہینے بعد میری اس سے پھر ملاقات ہوئی۔ میں وھیل مچھلیوں کا مطالعہ کر رہا تھا اور عجائب گھر کے ڈائرکٹر ڈاکٹر بم پس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا میں پیری کے رسد کے جہاز "ایرک" پر اس کے ساتھ جا کر وھیل اور دوسرے آبی بھتن دار جانوروں کو عجائب گھر لے آؤں گا۔ ڈائرکٹر نے پیری سے گفتگو کرنے کے لئے مجھے اپنے دفتر بلایا وہ ہم دونوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔ چند لمحوں تک تو میں کچھ نہ بول سکا۔ مگر وہ میری طرف مسکرایا اور اس نے مجھ سے وھیل پر میرے کام کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا اسے فطری تاریخ سے بڑی دلچسپی ہے اور کالج کے اخراجات کا بیشتر حصہ اس نے جانوروں کی کھال میں بھوسہ بھر کے کمایا تھا۔ اس سے میری زبان کچھ کھلی کیونکہ میں بھی یہی کام کر چکا تھا۔ آدھ گھنٹے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ میں "ایرک" پر اس کے ساتھ جا سکتا ہوں۔

اس کی تبسم آمیز رخصتی اور گرمجوشی کے مصافحہ کو یاد کر کے مجھے بڑی خوشی ہوئی مگر اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد میں نے سنا کہ "روزویلٹ" آئندہ سال سے پہلے تیار نہ ہو سکے گا۔ سفر کے لئے انتظار کرنا پڑے گا۔ اس انتظار کے وقفہ کے دوران عجائب گھر نے مجھے وھیل پکڑنے والے جہاز پر الاسکا بھیج دیا۔ جب میں لوٹا تو پتہ چلا کہ "ایرک" بھیجنے کے لئے جا چکا تھا۔ مجھے اس بات پر بڑا افسوس ہوا کہ میں پیٹری کو آرکٹک میں نہ بچ سکا۔ بہرحال ان لوگوں کی واپسی کے بعد سوائے راس مارون کے جس کا کہ آرکٹک میں

انتقال ہو چکا تھا۔ میری پیئری اور اس کے گروہ کے تمام افراد سے خوب اچھی طرح سے واقفیت ہو گئی۔

باب بارٹ لیٹ، راس مارون، ڈونلڈ میکملن جسے میک کہہ کر پکارا جاتا تھا، ڈاکٹر گڈسیل، جارج بورپ، میٹ ہین سن۔ یہ سارا گروہ بڑا عجیب و غریب تھا۔ ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی خاص کام کی صلاحیت رکھتا تھا۔ جارج بورپ جو تقریباً میرا ہی ہم عمر تھا میرا سب سے قریبی دوست بن گیا۔ شمال سے واپس آنے کے بعد وہ خطری تاریخ کے امریکی عجائب گھر میں ارضیات کا مطالعہ کرنے لگا۔ میری اس سے وہیں ملاقات ہوئی تھی۔ اسے آرکٹک سے عشق تھا قطب شمالی پہنچنے کے بارے میں ہم گھنٹوں باتیں کیا کرتے تھے۔ جارج چاہتا تھا کہ میں کروکر لینڈ کا کھوج لگانے والی مہم میں اس کے ساتھ شریک ہو جاؤں مگر میں تو ایشیا جانے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔

آرکٹک کی تمام صعوبتیں برداشت کر ڈالنے کے بعد وہ نیویارک کے قریبی سمندر میں جہاں سے کہ اس کا موسم گرما کا مکان نظر بھی آتا تھا ایک کشتی میں تفریح کرتے ہوئے ۱۹۱۲ء میں اپنی جان گنوا بیٹھا۔ میرے سب سے بڑے لڑکے جارج بورپ اینڈریوز کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا ہے۔

میرے لڑکے کے پاس جارج بورپ کی قطب شمالی والے سفر کی بیاض تھی اس نے اسے بعد میں شہر نیویارک کی ایکسپلوررس کلب (EXPLORERS CLUB) کو دیا یہ بیاض اس بات کی سچی تصویر پیش کرتی ہے کہ پیئری نے سرما کی طویل رات کے دوران اپنے ساتھیوں کو کس طرح خوش و خرم اور صحت مند رکھا۔ جارج کے پیش کردہ منظر میں اس قدر تازگی ہے کہ میں اسی کہانی کا یہ حصہ بیان کرتے وقت اکثر اسی کی بیاض کو استعمال کرتا ہوں۔

قطب کا سفر ۱۹۰۸ء تا ۱۹۰۹ء

روز ویلٹ نیویارک سے ۶ر جولائی ۱۹۰۸ء کو روانہ ہوا۔ اور نیویارک سے قریب خلیج

اونیبرڈ کے کنارے جاکر ٹھہر گیا۔ یہاں صدر امریکہ اور ان کے اہل خاندان اس جہاز کو دیکھنے کے لئے آئے۔ رخصت ہوتے وقت صدر روزویلٹ نے کہا تھا۔ "پیٹری مجھے تم پر اعتماد ہے اور تمہاری کامیابی پر بھی۔"

طوفانی سمندروں کا سینہ چیرتا ہوا جہاز ساحلِ لیبرڈوڈر پر کیپ چارلس کی جانب چل دیا۔ یہاں انہوں نے کتوں کو کھلانے کے لئے دھیل کا گوشت کافی مقدار میں لے لیا۔ اس میں سے کچھ گوشت خراب ہوگیا تھا اور اسے کھانے کی بنا پر کچھ کتے مر بھی گئے تھے۔

گرین لینڈ میں کیپ یارک کے مقام پر اسکیمو اس گروہ میں پہلی مرتبہ شامل ہوئے تھے۔ پستہ قد اور جانوروں کی کھالوں کا لباس پہنے ہوئے لوگ نوجوان جارج کو بڑے عجیب لگ رہے تھے مگر جلد ہی ہر شخص ان سے واقف ہوگیا۔ وہ اپنے گھر والوں اور کتوں کو لے کر ان کے ساتھ آملے۔

پیٹری اسکیموؤں سے گفتگو کر سکتا تھا۔ اور ان کے احساسات کو سمجھ سکتا تھا۔ جب پیٹری پہلی مرتبہ گرین لینڈ آیا تھا تو ان لوگوں کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ زندگی اکثر انہیں بہت ہی دشوار محسوس ہوتی تھی۔ پیٹری نے انہیں ان کی ضرورت کی بہت سی چیزیں لاکر دی تھیں۔ اس لئے یہ لوگ اس سے محبت کرتے تھے۔ اور سب اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔

سمندری گھوڑے کا شکار

سمندری گھوڑوں کے شکار کے لئے جارج پہلی مرتبہ کیپ یارک کے قریب کے علاقے میں گیا تھا۔ کیپٹن، بارٹ لیٹ کو برف پر دس سمندری گھوڑے دکھائی دیئے اس نے سوچا کہ اگر ہم لوگ ان کا شکار کریں تو یہ بڑا اچھا تجربہ ثابت ہوگا۔ وہ اپنے ساتھ چھوٹی سی کشتی میں میک جارج اور متعدد اسکیموؤں کو لے گیا۔ کشتی کھینے کے لئے ایک ملاح ڈینس مرفی کو ساتھ لے لیا۔

جب وہ برف پر بیٹھے سمندری گھوڑوں کے نزدیک پہنچے تو انہیں کچھ گھوڑے پانی میں بھی نظر آئے۔ وہ ان کے اس قدر قریب تھے کہ وہ انہیں چھو بھی سکتے تھے۔

جو پانی میں نظر آرہے تھے ان میں سے کسی کو مارنے کی کوشش نہیں کی جو برف پر نظر آرہے تھے انہیں مارنا زیادہ مناسب نظر آرہا تھا۔ مگر اسکیمو ان کے قریب جانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ بہت ہی وحشی اور طاقتور نظر آرہے تھے۔ جب کہ وہ لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ چند سمندری گھوڑوں نے بھاگنا شروع کردیا۔

میک نے اپنی بندوق سر کرنا شروع کردی اس نے دو کو نشانہ بنادیا۔ تیسرے کے چوٹ لگی مگر جب یہ پانی میں بیٹھنے لگا تو اسکیموؤں نے ہارپون مار کر اسے پکڑ لیا۔ جب کوئی سمندری گھوڑا مرجاتا ہے۔ تو یہ پتھر کی طرح سمندر کی تہہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ اس موقع پر اسے نیچے بیٹھنے سے پہلے فوراً پکڑ لینا ضروری ہے۔ اس کے بعد تقریباً ۲۰ سمندری گھوڑے کشتی کی طرف جھپٹے۔ ہوا میں پانی ہی پانی ہوگیا تھا اور خود پانی تہہ و بالا ہو رہا تھا۔

اس وقت تین سمندری گھوڑے پانی کی سطح پر آگئے اور جنگ شروع ہوگئی۔ دو کو مار گرایا تھا۔ تیسرا ان لوگوں کو مارنے کی تمنا میں غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ ان کے اسقدر قریب آگیا تھا کہ چند انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ مگر اسی وقت اسے بھی نشانہ بنادیا گیا۔ زوردار نعرہ لگا کر اسکیموؤں نے ڈوبنے سے پہلے ہی اسے ہارپون کا نشانہ بنادیا۔

روز ویلٹ بہت ہی چھوٹا جہاز تھا۔ ایٹہ سے روانہ ہوتے وقت اس میں کوئلہ، وھیل کا گوشت۔ ۲۴۶ کتے جو آپس میں لڑ رہے تھے۔ ۴۹ اسکیمو اور ۵۰ سمندری گھوڑوں کی چربی بھردی گئی تھی۔

آرکٹک کی طویل رات

روز ویلٹ برفانی سمندر کو کاٹتا پیٹتا سلامتی کے ساتھ اپنا راستہ طے کر رہا تھا۔ گرانٹ لینڈ کے ساحل پر کیپ شیریڈان کے مقام پر جہاز موسم سرما گزارنے کے لئے رک گیا۔ یہاں سے زاد راہ

بیس ڈور کیمپ کو بلیا تک سلیج گاڑیوں کے ذریعے پہنچانا تھا۔ یہ ان کا آخری کیمپ ہوگا کیمپ کو بلیا سے قطب کی یلغار شروع ہو جائے گی۔

پیئری کا عقیدہ تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ذہنوں اور جسموں کو مصروف رکھے۔ آرکٹک کی رات کے دوران جب کبھی بھی چاندنی اس قدر ہو جاتی تھی کہ اس میں دکھائی دے سکے سلیج سے سامان پہنچانے یا شکار کھیلنے کے لیے باہر نکل جاتے تھے۔ موسم بہار میں دن طلوع ہونے کے وقت تک سب لوگ ٹھیک ٹھاک تھے۔ باہر نکل کر کام کرتے رہنے کی بنا پر وہ اس قدر مضبوط ہو گئے تھے کہ سردی کے اثرات سے محفوظ رہے۔

کیمپ کو بلیا تک سلیج کے ذریعہ سامان پہنچانے کا کام ۱۶ ستمبر کو شروع ہو گیا تھا۔ اس کے فوراً بعد ہی موسم سرما آ گیا۔ ان لوگوں نے سورج کو آخری مرتبہ ۸ اکتوبر کو دیکھا تھا اس کے بعد سفر یا تو چاندنی کی مدد سے کیا یا ان لالٹینوں کی مدد سے جو ان کے پاس تھیں۔

جارج بورپ نے لکھا ہے کہ نئے آدمیوں کے لئے یہ باتیں بڑی انوکھی تھیں۔ کبھی کبھی تو انہیں یہ پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ وہ دن تھا یا رات موسم بے انتہا سرد تھا مگر ہوا قطعی نہیں چل رہی تھی۔ اور لوگوں کے لئے یہ محسوس کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ وہاں اس قدر سردی تھی۔ کبھی کبھی تو وہ صرف نیچے کی قمیص پہنے ہی چند منٹ تک باہر رہ جاتے تھے۔ اور انہیں بہت زیادہ سردی بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

۲۲ دسمبر کو سورج اپنے انتہائی جنوبی مقام تک پہونچ جاتا ہے اس کے بعد یہ واپس ہونے لگتا ہے۔ ۱۹۰۸ء میں اسی دن دوپہر کے وقت جنوبی آسمان میں بہت ہی ہلکی سی روشنی تھی۔ پیئری نے ہر شخص کو باہر بلایا اور انہیں بتایا کہ اب سورج واپس ہونا شروع ہو گیا ہے۔ راس مارون نے جہاز کی گھنٹی بجا دی۔ میتھا ہینسن نے تین مرتبہ بندوق سر کی جارج نے دس روشنیاں جلائیں۔

اس کے بعد وہ اندر گئے۔ انہوں نے خوب کھایا پیا۔ ایک اسکیمو بچہ جو صرف قمیص پہنے ہوا تھا سورج کو دیکھنے کے لئے باہر بھاگ گیا۔ لوگوں کو اسے پکڑ کر لانے کے لئے اس کے پیچھے بھاگ کر جانا پڑا۔

پیری کا اپنے لوگوں کو تاریکی کے مہینوں کے دوران مصروف رکھنے کا جو عقیدہ تھا پورپ نے اسے اس طرح بیان کیا ہے۔

"آرکٹک کی رات جس سے کتنے ہی ہم جو خوفزدہ ہوتے رہے ہیں وہ جان لیوا اور مایوس کن تاریکی جس کا دوفا بے شمار ہم جو رو چکے ہیں۔ وہ غیر متغیر رات جس کو دیکھ کر لوگ پاگل ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اس کا پتہ بھی اس وقت چلا جب کہ یہ آدھی گزر چکی تھی۔ پیری کے طریقوں کے تحت ہم چاندنی میں سفر کیا کرتے تھے۔ ہم جہاز پر ہمیشہ مصروف رہتے تھے۔ ہم اسکیموؤں سے بات چیت کرتے رہتے تھے۔ اور ان سے معلومات حاصل کرتے رہتے تھے۔ ہمیشہ مصروف رہنے کی بنا پر ہم خوش رہتے تھے۔ ہمارا کام کا دن زیادہ طویل نہیں تھا۔ اس سے پہلے مجھے جینے کی حقیقی مسرت کا کبھی علم نہیں ہوا تھا۔

گرین لینڈ کے سفروں کے شروع تک پیری کو اگلو یعنی اسکیموؤں کے برف کے گولائی دار مکان بنانا نہیں آیا تھا۔ اس کا تجربہ نہ ہونے کی بنا پر اسے بڑی غیر ضروری قسم کی تکلیفیں اٹھانی پڑی تھیں۔ اب پیری نے اگلو بنانا اسکیموؤں سے اپنے آدمیوں کو سکھلا دیا تھا۔

پورپ لکھتا ہے کہ:۔

"ہر اسکیمو برف کے بڑے بڑے مربع ٹکڑے کاٹنا شروع کر دیتا ہے۔ جب یہ کافی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں تو ایک اسکیمو برف پر دائرہ کھینچتا ہے۔ وہ اس کے اندر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دوسرے لوگ اسے برف کے ٹکڑے لا لا کر دیتے جاتے ہیں اور وہ انہیں اس دائرہ کے ساتھ ساتھ نیچے اوپر قطاروں کی شکل میں رکھتا چلا جاتا ہے۔ آخری

بچھے کو بیچ میں سرے پر رکھنا اس کام کا مشکل ترین حصہ ہوتا ہے۔ اگلو کے اندر فرش کا بچھلا حصہ نسبتاً اونچا رکھا جاتا ہے۔ یہ ان کا بستر ہوتا ہے جسے وہ فرش پر تھوڑی سی آگ جلا کر گرم کر لیتے ہیں۔

قطب پر یلغار کرنے کا منصوبہ

اپنے طویل تجربہ کی بنا پر پیئری نے کاغذ پر ایک منصوبہ تیار کیا۔ وہ پانچ گروہوں میں منقسم ہو جائیں گے۔ ان میں سے ایک گروہ پیئری کا ہوگا۔ دوسرے چار گروہ قطب سے ۱۵۰ میل کے فاصلے پر سمندر کی برف پر کیمپ لگانے میں اس کی مدد کریں گے۔ تب بہترین سلیج گاڑیوں کتوں اور ڈرائیوروں کے ساتھ بقیہ راستہ پیئری طے کرے گا۔ جب پیئری اور اس کا گروہ واپس لوٹے گا تو دوسرے گروہ متعدد مقامات پر جو اگلو بنا بنا کر ان میں رسد رکھ چکے ہوں گے وہ انہیں استعمال کرتے ہوئے آجائیں گے۔

یہ بہت ہی عمدہ منصوبہ تھا۔ بہرحال آرکٹک کی برف پر سفر کرنے کا پورا پورا منصوبہ تیار کرنا ہرگز ممکن نہ تھا۔ طوفانوں سے برف اکثر پھٹ جایا کرتی تھی اور ادھر ادھر ہٹ جاتی تھی۔ اس طرح مجوزہ راستہ گم ہو جاتا تھا۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں بالکل یہی بات واقع ہو چکی تھی۔ پیئری تو صرف خدا سے ہی مدد کی درخواست کر سکتا تھا اور اچھے موسم کی دعا مانگ سکتا تھا

برف میں دراڑے پڑ جانا ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ سفر کرنے کے لائق روشنی ہوتے ہی یہ گروہ روانہ ہو جائیں گے۔ سال کے اس حصہ میں اتنی سردی ہوتی ہے کہ دراڑوں پر فوراً ہی برف جم جاتی ہے۔ سوائے اس صورت کے جب کہ ہوا بہت ہی تیز ہو۔ مگر جب وہ دو مہینے بعد نسبتاً گرم موسم میں واپس لوٹیں گے تو برف جمنے کی رفتار کافی آہستہ ہو چکی ہو گی۔ برف کے ہلنے جلنے میں کافی اضافہ ہو چکا ہوگا۔ چنانچہ یہ ضروری تھا کہ رسد بہت سے اور مختلف مقامات پر رکھ دی جائے۔ اگر پیئری کو کسی دوسرے راستے سے واپس لوٹنا پڑے تب بھی اسے اور اس کے گروہ کو کھانا مل سکے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں ایسا انتظام نہیں

کیا گیا تھا۔ اسی لئے پیئری کا بھوک کی وجہ سے تقریباً دم نکل چکا تھا۔

۱۵ فروری کو کپتان بارٹ لیٹ جہاز کو چھوڑ کر کیپ کولمبیا کی طرف چل دیا۔ باقی تمام لوگ بھی چند دن کے اندر اندر اس طرف چل دیے۔ بلا کی سردی پڑ رہی تھی جس وقت جارج اور میک ملن کیپ کولمبیا پہنچے تو پیئری نے انہیں دیکھ کر کہا تھا۔ "جارج تمہارا چہرہ منجمد ہو چکا ہے۔ میک ملن تمہاری ناک برف کا ٹکڑا بن گئی ہے۔"

جارج نے لکھا ہے کہ سردی اس قدر سخت تھی کہ دو بڑے الاؤ لگا دینے کے باوجود اسکیمو تک نہ سو سکے۔ صبح ناشتہ کرنے کے بعد پیئری نے ان لوگوں کو بتایا کہ اب تک ہم جتنا بھی وقت گزار چکے ہیں آئندہ چھ ہفتے اس سے بھی بہت زیادہ سخت ہوں گے۔

۲۸ فروری کو انہوں نے قطب کی جانب یلغار شروع کی۔ دوسرے دن کے خاتمے پر بارٹ لیٹ نے بورپ کو مزید رسد لانے کے لئے واپس بھیجا اور وہ خود آگے بڑھتا رہا۔ اس طریق کار پر عمدگی سے عمل ہوتا رہا مگر اس کی ابتدائی کوشش کے دوران ہی ایک بہت بری بات واقع ہو گئی۔ تیل کے کچھ پیپے ٹوٹ کر کھل گئے اور اتنا تیل بھی نہیں بچا کہ پیئری کے قطب تک پہنچنے اور واپس لوٹنے تک کام دے سکتا۔ گرمی کے انتظام کے بغیر یہ تمام مہم ناکام ہو سکتی تھی۔

جب مارون اور بورپ اگلوؤں میں پہنچے تو انہیں یہ ہدایت لکھی ہوئی ملی کہ وہ پیئری کے نے رتیں پہنچا دیں۔ وہ اس وقت تک یخ بستہ سمندر پر ۴۰ میل دور جا چکا تھا اور روزانہ آگے ہی بڑھتا جا رہا تھا۔ کیپ کولمبیا سے ۵ میل دور مارون اور بورپ کی راہ میں کھلا ہوا پانی حائل ہو گیا۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی انہیں پانی ہی پانی دکھائی دے رہا تھا۔

یہ بات ان کے لئے انتہائی دل شکن تھی۔ وہ جانتے تھے کہ پیئری تک رسد لے کر پہنچنا کس قدر ضروری تھا۔ اس کے باوجود اس کام کو انجام دینے سے قاصر تھے۔ اگلے دن

کھلا ہوا پانی اور بھی وسیع ہو گیا۔ یہاں انہیں صرف ایک ہی خوشگوار احساس ہوا وہ یہ کہ انہیں سورج پہلی بار نظر آیا۔ اسے آخری بار دیکھے انہیں پانچ ماہ گزر چکے تھے۔

پانچ دن تک بورپ اور مارون انتہائی خوف و ہراس کی حالت میں انتظار کرتے رہے۔ پیئری اس وقت تک برفانی سمندر پر ۹۰ میل آگے بڑھ چکا ہوگا۔ ممکن ہے کہ وہ اسے تلاش بھی نہ کر سکیں۔ تب ۱۰ مارچ کو برف کے دراڑے مل گئے اور یہ لوگ بڑی تیزی سے آگے بڑھ گئے۔

چار دن بعد انہیں پیئری مل گیا۔ کھلا ہوا پانی اس کی بھی راہ میں حائل ہو گیا تھا۔ کیمپ دکھائی دینے سے بہت پہلے ہی انہیں اس خاموشی اور سرد ہوا میں کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پیئری ان سے ملنے کے لئے آیا۔ بورپ نے لکھا ہے کہ یہ ان کے لئے قابلِ فخر اور مسرت انگیز لمحہ تھا۔

میک ملن کا پاؤں یخ بستہ ہو گیا تھا۔ اس میں اسے اس قدر تکلیف محسوس ہو رہی تھی کہ اسے اگلے دن واپس لوٹنا پڑا۔ اس کے لئے یہ بات انتہائی دل شکن تھی اور دوسرے لوگوں نے اس بات سے اداسی چھا گئی تھی کہ ان کا دوست آخر تک ان کے ساتھ نہ جا سکے گا۔

قطب کی یلغار منصوبہ کے مطابق جاری رہی۔ ہر پانچ منزلوں کے دوران ایک ایک شخص واپس لوٹتا رہا۔ سب سے پہلے ڈاکٹر گڈسیل گیا اس کے بعد علی الترتیب میک ملن بورپ، مارون اور بارٹ لیٹ گئے۔ صرف ہین سن اور پیئری قطب تک پہنچے تھے۔

بورپ نے لکھا ہے کہ وہ اپنا سفر جاری رکھنے کی خاطر وہ ہر چیز کی قربانی دے سکتا تھا مگر اسے یہ خوشی تھی کہ جس حد تک اس میں چلنے کی طاقت تھی وہاں تک وہ چلا گیا تھا۔ "مجھے اپنی زندگی میں اس قدر بے لطفی کبھی نہیں ہوئی۔ تاہم یہ بھی کھیل کا ایک حصہ ضرور تھا۔"

پیٹری نے بارٹ لیٹ اور ہین سن کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔ مارون کے روانہ ہو جانے کے پانچ منزل بعد کپتان ٹلیٹ نے بھی واپسی کی جانب رخ موڑ دیا۔ اس وقت تک شمال میں اس قدر دور تک کوئی اور انسان نہیں پہنچ سکا تھا۔ اس کے باوجود وہ جنوب کی جانب انتہائی اداس دل کے ساتھ لوٹا۔

بہت سے لوگوں نے یہ سوچا کہ پیٹری کو یہ چاہیئے تھا کہ وہ بارٹ لیٹ کو اپنے ساتھ لے جاتا مگر پیٹری کے پاس ایسا نہ کرنے کی معقول وجوہات تھیں۔ ممکن تھا کہ وہ تینوں مر جاتے۔ پیئری یا بارٹ لیٹ کے سوا روز ویلٹ کو برف میں سے گزار کر واپس لے جانے کا تجربہ کسی کو حاصل نہیں تھا۔ اگر یہ دونوں مر جاتے تو ممکن تھا کہ باقی کے تمام لوگ بھی مر جاتے۔ اس جماعت میں اسکیموؤں کے بعد کتوں کا بہترین ہانکنے والا ہین سن ہی تھا۔ میک ملن نے کہا ہے کہ ہین سن کو اس لئے لیجایا گیا تھا کہ وہ ہم میں سے ہر شخص سے بہتر تھا۔ اور بارٹ لیٹ نے بھی ہمیشہ یہی کہا تھا کہ پیئری نے بالکل صحیح کام کیا تھا۔"

کپتان کے چلے جانے کے بعد سفر کا بقیہ حصہ طے کرنے کے لئے صورت حال پیئری کے لئے کافی امید افزا تھی۔ اس کے پاس پانچ سلیج تھیں اور سب درست حالت میں تھیں اس کے پاس بہت کتے اور کافی خوراک موجود تھی۔ اس کے چاروں اسکیمو ڈرائیور بہت ہی اچھے تھے۔ اسے ان پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اگر موسم اچھا رہے تو وہ پانچ منزل میں قطب تک پہنچ جائے گا۔

پیٹری اور ہین سن تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے گئے۔ وہ ہر کوچ کے بعد صرف تین یا چار گھنٹے سویا کرتے تھے۔ جب وہ قطب سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر رہ گئے تو وہ ٹھہر گئے اور انہوں نے خیمہ نصب کیا۔ جس کا نام پیئری نے اپنے جگری دوست کے اعزاز میں کیمپ جیسپ رکھا۔ دوپہر کے وقت انہیں پتہ چلا کہ درحقیقت وہ قطب سے صرف تین میل کے فاصلے پر تھے۔ دو اسکیموؤں کو لے کر پیئری دس میل تک بڑھتا چلا گیا۔ اسے پتہ چلا کہ وہ قطب

آگے بڑھ گیا تھا۔

پیئری نے اپنے اس تجربے کے بارے میں لکھا ہے " اس مقام پر سورج جنوب کی طرف نظر آرہا تھا، مگر جو لوگ کہ دنیا کے دوسرے رخ پر یہاں سے صرف دس میل کے فاصلے پر اس خیمہ میں تھے انہیں یہ شمال میں نظر آرہا تھا۔"

۶ راپریل ۱۹۰۹ء کو آخرکار قطب پر جا پہنچے

پیئری کیمپ جیسپ میں واپس آگیا۔ اگلے دن اس نے سورج کے مقام کے اعتبار سے اس جگہ کی کئی پیمائشیں کیں اور سلیج میں بیٹھ کر مزید آٹھ میل تک گیا۔ یہاں اس نے کئی مزید پیمائشیں کیں۔ اس نے ان دونوں مقامات کے چار مختلف اوقات میں تین سمتوں میں پیمائشوں کے ۱۳ سیٹ تیار کیے۔ اس کے بعد اس نے مختلف سمتوں میں ۸ یا ۱۰ میل تک سفر کیا۔ ان سفروں کے دوران کسی وقت وہ ایسے مقام پر سے بھی گزرا جہاں کہ شمال، جنوب، مشرق اور مغرب ایک ہو جاتے ہیں۔ برف کی ایک چھوٹی سی پہاڑی کے نیچے اس نے اپنی اس دریافت کے دو ریکارڈ چھوڑ دئے۔ حالانکہ اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ شاید انہیں کوئی بھی تلاش نہ کر سکے گا۔

اب سوال یہ درپیش تھا کہ کیا موسم بہار کے آنے اور برف کے پھٹ کر کھلا پانی نکل آنے سے پہلے پہلے یہ جماعت خشکی پر واپس نہیں پہنچ سکے گی؟ کتوں کو معمول سے زیادہ کھانا دیا جانے لگا اور ان لوگوں نے وہ تمام چیزیں پھینک دیں جن کی ضرورت پڑنے کا امکان نہیں تھا۔ پیئری نے قطب کے سفر کے دوران روزانہ جس قدر فاصلہ طے کیا تھا اب اس نے تجویز کیا کہ واپسی پر اس سے دگنی رفتار سے سفر کیا جائے۔ معاملات ٹھیک ٹھاک چلتے رہے۔ وہ اگلو (یعنی برف کے مکانات) استعمال کرتے گئے انہوں نے نو منجمد برف پر سے پانی والا حصہ پار کر لیا۔ ۲۳ راپریل کو گرانٹ لینڈ میں پہنچ چکے تھے۔ اسکیمو خوشی سے ناچنے اور گانے لگے۔

راس ماروِن کا انتقال ہو گیا

کیمپ کولمبیا کے مقام پر وہ کھانے اور سونے کے لئے پورے دو دن ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد وہ جہاز کی طرف چل دئے۔ جب پیئری روزویلٹ پر پہنچا تو کپتان بارٹ لیٹ نے اسے یہ خبر بد سنائی کہ راس ماروِن کا انتقال ہو گیا تھا۔ پیئری کو اچانک ایسا دھچکا لگا کہ اس کی کامیابی کی ساری خوشی غارت ہو گئی۔ اسے اس بات پر یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ شخص جس نے اس کی مدد کرنے کے لئے اس قدر سخت محنت کی تھی۔ "اب میرے ساتھ کبھی کھڑا نہ ہو سکے گا۔"

پیئری کی آرکٹک کی مہمات کے ۲۳ سالوں کے دوران راس ماروِن ہی وہ واحد شخص تھا جس کا کہ انتقال ہوا تھا۔ یہ بات کبھی واضح ہی نہ ہو سکی کہ درحقیقت ہوا کیا تھا۔ جارج بورپ کی بیاض اس کہانی کو اس طرح بیان کرتی ہے۔

"۱۱ اپریل کو ہم روزویلٹ پر تھے ہم نے سلیج کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں جو کہ جہاز کی طرف آ رہے تھے تو گئے برف میں سے جھلستے ہوئے آتے ہیں مگر یہ بہت ہی آہستہ آرہے تھے ہم میں سے کچھ لوگ ان سے ملنے کے لئے باہر دوڑ گئے اور ایک اسکیمو کڈ لک ٹو نے بتایا کہ ماروِن ختم ہو چکا ہے۔

کڈ لک ٹو اور ایک اسکیمو ہیری گن جو کہ ماروِن کے ساتھ چلے تھے وہ بہت ہی پریشان تھے۔ آخرکار جہاز پر واپس پہنچنے کے بعد کڈ لک ٹو نے یہ کہانی بیان کی، ماروِن کی پیئری سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ اور دونوں اسکیمو روزانہ بہت ہی تھوڑا فاصلہ طے کیا کرتے تھے کیونکہ انہیں راستے میں کھلا ہوا پانی ملا تھا۔ ایک دن معمول کے مطابق ماروِن صبح ہی اسکیموؤں سے پہلے روانہ ہو گیا۔ ہم سے چند میل آگے "عظیم سیسہ" تھا۔ جب کڈ لک ٹو اور ہیری گن پہنچے تو انہوں نے ماروِن کو کھلے ہوئے پانی میں پڑا ہوا پایا۔ اس نے ان کے پکارنے کا کوئی جواب نہیں دیا اور جب انہوں نے اسے باہر نکالنے کی کوشش کی تو اس کی پتلی برف ٹوٹ گئی۔ انہوں نے نزدیک ہی ایک خیمہ لگایا۔ اگلی صبح انہیں پتہ چلا کہ اس کی

نعش ڈوب چکی تھی۔

اس کے کئی سال بعد ایک اور مہم جو کو گرین لینڈ کے اسکیموؤں سے یہ پتہ چلا تھا کہ کڈ لنگ ٹو نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مارون کو اس نے مار ڈالا تھا۔ اس نے ایسا اس لئے کیا تھا کہ مارون میری گن پر ناراض ہو گیا تھا اور اس نے اس سے کہا تھا کہ وہ بغیر کھانا دئے پیچھے چھوڑ جائے گا۔ کڈ لنگ ٹو نے کہا کہ اس نے اپنے دوست کی جان بچانے کی خاطر مارون کو مار دیا تھا۔

جو لوگ مارون سے واقف تھے انہیں اس بات پر یقین نہ آسکا کہ مارون کبھی ایسا کام کرسکتا ہے یا ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ وہ بہت ہی اچھے کردار کا اور نفیس انسان تھا۔ پیری کے علاوہ اسکیموؤں سے اس سے زیادہ کوئی واقف نہیں تھا۔ خود میرا یہ خیال ہے کہ کڈ لنگ ٹو پر آرکٹک کا عام جنون طاری ہو گیا تھا۔ اس علاقے کے لوگ یا کتے جب بھی کوئی زبردست جدوجہد کرتے ہیں ان پر تھوڑی دیر کے لئے ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کڈ لنگ ٹو نے یہ دو مختلف کہانیاں محض اس لئے بیان کیں کہ لوگ اسے ایک دیوانہ قاتل تصور نہ کریں۔

گ کے بیان کی اولین خبر

جب برف ٹوٹ کر علیحدہ ہو گئی تو روز ویلٹ کیمپ ۱۸ جولائی شیریڈان سے روانہ ہو گیا۔ پہلی جگہ جہاں جا کر وہ رکے ترک نامی گاؤں تھا۔ یہاں انہوں نے سنا کہ کک دو اسکیموؤں کے ساتھ اوائل بہار میں واپس پہنچ گیا تھا۔ کک نے کہا تھا کہ وہ سمندر کی برف پر بہت دور تک چل کر گیا تھا اور شمال میں بہت دور تک پہنچ گیا تھا۔ مگر دونوں اسکیموؤں نے کہا کہ اس کی بات سچ نہیں ہے وہ سمندر کی برف پر شمال کی جانب قطعی نہیں گیا تھا۔ کک جنوبی گرین لینڈ تک تو پہلے ہی جا چکا تھا۔

جارج بوروپ نے اپنی بیاض میں لکھا ہے کہ ایٹہ پہنچنے سے پہلے انہوں نے کک کے

سفر کی رپورٹ کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ یہاں کک کے دونوں معاون اسکیمو روز ویلٹ
آئے تھے۔ بورپ لکھتا ہے۔

"ہم اس طرح پیش آتے رہے گویا ہم یہ جانتے تھے کہ وہ شمال میں بہت آگے تک
پہنچے تھے۔ ہم نے انہیں اس بات پر یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ وہ سمندر کی برف پر ۱۰ یا ۵
کوچ کر چکے تھے۔ جہاں سے کہ انہیں زمین بالکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ مگر وہ یہی کہتے رہے کہ کک
کے پول کی سمت میں انہوں نے صرف دو کوچ کے تھے۔

ساحل پر ہم نے وہ سلیج دیکھی جسے کہ کک نے استعمال کیا تھا اسکیموؤں نے کہا کہ ا
سے شمال میں دو کوچ تک اور وہاں سے واپس ایٹہ تک اس تمام سفر کے دوران ہم اور یہ سلیج
ذرا سی دیر کے لئے بھی جدا نہیں ہوئے سلیج بالکل اسی حالت میں تھی جیسی کہ یہ روانگی کے وقت
تھی۔ یہ بہت ہلکی اور پتلی تھی مگر اس میں صرف دو جگہ چھوٹے چھوٹے رخنے تھے۔

ہمارے سفر کے دوران کولمبیا سے پہلے ہی دن کے کوچ میں ہماری دو سلیج اس بری
طرح سے ٹوٹیں کہ ان کے مالکوں کو واپس جا کر نئی لانی پڑیں۔ ان کے علاوہ چھ اور بھی بری طرح
سے ٹوٹ گئی تھیں اور روزانہ کوئی نہ کوئی ٹوٹ ہی جاتی تھی۔ ۱۶ مارچ کو ہینسن کی جماعت کی
تینوں سلیج اس طرح ٹوٹ کر پاش پاش ہو گئیں کہ ان کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں سے دو نئی سلیج
تیار کرنی پڑیں۔

ہماری سلیج گاڑیاں کک کی سلیجوں سے دگنی تگنی بھاری تھیں اور ان سے بہت ہی زیادہ
مضبوط تھیں۔ اس پر ایک ہی نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ کک کی سلیج قطبی برف پر
زیادہ ٹک ہی نہیں سکتی تھی۔"

کک کی یہ بات بھی بڑی دلچسپ ہے کہ اس نے کیپ تھامس ہبرڈ سے قطب تک
اور وہاں سے واپسی کے دوران سمندر کی برف پر بذریعہ سلیج ۱۰۴۰ میل کا فاصلہ طے کیا یعنی
پیئری کے سلیج کے تمام سفر سے ۱۲۴ میل زیادہ اور پھر یہ کہ دو سلیج پر وہ جتنی رسد لے گیا تھا

اس سے زائد کی اسے ضرورت ہی نہ پڑی اور نہ کوئی جماعت اس کے پاس رسد پہنچانے کے لئے گئی۔

بیئری اور اس کی جماعت کو یہ جان کر بڑا تعجب ہوا کہ کک کے بیانات پر صرف جزوی طور پر یقین کرنے کے باوجود کوپن ہیگن میں اس کا کس قدر گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ وہ غصہ سے بھڑک اٹھا۔ اس کے بعد اس نے اخبارات کو بیان دے دیا جس سے کہ اس پر بدگمانیاں اور بھی بڑھ گئیں۔

سائنس دان کک پر اعتبار نہیں کرتے

جبکہ کک ڈنمارک میں اعزازات حاصل کر رہا تھا۔ وہاں کی دو جماعتوں نے جنہیں جغرافیہ سے دلچسپی تھی۔ اس سے کہا کہ وہ قطب شمالی پر سورج کی پیمائش کے ریکارڈ اور کتوں کی سلیجوں کے سفر کی یادداشتیں پیش کرے۔ کک نے جواب دیا کہ وہ قیمتی ریکارڈ جو جو اس کی کہانی کی تصدیق کر سکتے ہیں گرین لینڈ میں اس کے ایک دوست کے پاس ہیں۔ وہ انہیں بعد میں پیش کر دے گا۔

اس بات پر یقین کرنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ وہ اہم جماعتیں ایک لمحے کے لئے بھی ایسے عجیب و غریب بیان کو تسلیم کر سکتی تھیں۔ جب کک کے دوست نے کہا کہ کک نے اسے سوائے بغیر آلات پیمائش کے اور کچھ نہیں دیا ہے تو کک نے جواب دیا تھا۔ "اسمیں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اپنا ریکارڈ بالکل حقیقی ریکارڈ کی طرح لکھا ہے۔" بلا شبہ صرف حقیقی ریکارڈ ہی کسی قدر و قیمت کا حامل ہو سکتا ہے۔

اس کے کئی مہینے بعد اس نے دوسرا ریکارڈ بھی پیش کیا۔ مگر سائنس دانوں نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ آخر کار کک سے قطب پر پہنچنے کا ثبوت اس قدر لوگوں نے طلب کرنا شروع کر دیا کہ وہ اپنی کہانی تبدیل کرنے لگ گیا۔ اس نے اخبار نویسوں کے ایک گروہ سے کہا کہ ممکن ہو وہ غلطی پر ہو اور بہت ممکن ہے کہ وہ حقیقتاً قطب تک نہ پہنچ سکا ہو۔ اس کے فوراً بعد وہ عوام

کی نگاہوں سے بالکل روپوش ہو گیا۔ اس کے تقریباً ایک سال بعد وہ ایک کتاب لکھ کر نمودار ہوا جس میں اس بات کا اعادہ کیا گیا تھا کہ وہ قطب تک پہنچ چکا تھا۔

اس کے بعد اس نے اخبار نویسوں سے کہا کہ شاید وہ قطب تک پہنچ چکا تھا۔ پھر اس نے مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اسے اس بات کا پہلے سے کہیں زیادہ یقین تھا کہ اسے کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔

جب کہ کک آرکٹک میں ہی تھا کھوج لگانے والوں کی انجمن (EXPLORERS CLUB) نے اس بات کا پتہ لگانے کی کوشش کی کہ آیا وہ حقیقتاً الاسکا کے ماؤنٹ میک کنلے کی چوٹی پر پہنچ چکا تھا یا نہیں جو کہ شمالی امریکہ کا سب سے اونچا پہاڑ تھا۔ پتہ چل گیا کہ کک اس کی چوٹی پر نہیں پہنچ سکا تھا جیسا کہ اس نے دعویٰ کیا تھا۔ کک کو مجبور کیا گیا کہ وہ کھوج لگانے والوں کی انجمن آرکٹک کلب اور آرٹس اور سائنس کی دوسری اہم جماعتوں سے مستعفی ہو جائے۔

کک نے کھوج لگانے والوں کی ساری برادری کو رسوا کیا تھا۔ پیئری اور کک کے اختلافات کے بعد لوگ کسی بھی کھوج لگانے والے پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ چاہے وہ کتنا ہی مشہور اور معتبر کیوں نہ ہو۔ وہ پیئری کے قطب جنوبی کا اولین کھوج لگانے والا بننے کی راہ میں بھی حائل ہوا۔ لوگ اس کام کی مطلوبہ رقم دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس طرح پیئری اپنے بہت ہی سوچ سمجھ کر بنائے ہوئے منصوبہ کو بھول جانا پڑا۔

پیئری کو اعزازات حاصل ہوتے ہیں

امریکہ کے مشہور ترین جغرافیہ دانوں نے پیئری کے ریکارڈ کا مطالعہ کیا اور انہیں تسلیم کر لیا۔ اسے دنیا بھر کے سائنس دانوں نے اعزازات عطا کئے۔ اس کے بعد اس نے یورپ کا کامیاب دورہ کر کے لوگوں کے سامنے تقریریں کیں۔

سنہ ۱۹۱۱ء میں صدر ولیم۔ ایچ ٹافٹ نے ملک کے قانون سازوں سے کہا کہ پیئری نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ اسے یاد رکھیں۔ صدر نے کہا کہ پیئری نے قطب تک پہنچ کر کرہ

...نے ملک کو عزت بخشی ہے۔ ٹانٹ نے کہا کہ امریکی حکومت کو چاہیئے کہ وہ پیئیری کو
...کے کارناموں کا اعزاز عطا کرے۔

اس کے بعد بھی کک کے دوست پیئیری سے لڑتے رہے مگر وہ اسے نقصان
پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسے بحریہ میں اونچا عہدہ عطا کیا گیا اس کے بعد اسے
...ازت دیدی گئی کہ وہ اپنی ملازمت ترک کر دے مگر اسے تنخواہ برابر ملتی رہے گی۔
...سے بہت سے اعزازات عطا ہوئے اور ۱۹۲۲ء میں بحریہ کے ایک جہاز کا نام اس کے
...م پر رکھا گیا۔

۱۹۱۷ء میں جب پیئیری نے اپنا طویل اور سخت تقریری دورہ ختم کیا تو اس کے
...کٹروں نے اسے بتایا کہ وہ ایک بہت ہی بری خون کی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اسے
...وئی امداد نہ مل سکی مگر وہ برابر اپنے بل بوتے سے زیادہ کام کرتا رہا۔ ۲۰ر فروری ۱۹۲۰ء
...س کا انتقال ہو گیا۔ اسے بہت سے اعزازات کے ساتھ واشنگٹن میں دفن کیا گیا۔

اس کے دو سال بعد یعنی قطب کی دریافت کے ۱۳ سال بعد ممالک متحدہ کا صدر
...ر بہت سے مشہور لوگ اس کے کارناموں کی یاد منانے کے لئے اس کے مزار پر جمع ہوئے۔
...س کے مزار پر زمین کی شکل کا ایک بڑا سا سفید پتھر رکھ دیا گیا۔ اس میں قطب شمالی پر
...یک ستارہ بھی بنا ہوا تھا۔ اسی میں ایک جانب پیئیری کی زندگی میں اس کی رہنمائی کرنے والے
...الفاظ کھدے ہوئے ہیں "میں راستہ تلاش کروں گا یا خود بنا لوں گا"۔

حصہ دوم

افریقہ کا ایکلی

مشرق بعید میں ایک سال گزارنے کے بعد ۱۹۲۵ء میں اختتام کے قریب نیویارک کے فطری تاریخ کے امریکی عجائب گھر واپس آگیا۔ اولین شخص جسے کہ میں نے عجائب گھر میں دیکھا وہ کارل ایکلی تھا۔ میں نے اس کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔ کیونکہ وہاں آیکی جیسا پرتپاک دوست شاذ و نادر ہی نکل سکتا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا کہو ایکی اچھے تو ہو! تم کہیں سے آرہے ہو یا جارہے ہو یا یہیں ٹھہرے ہوئے ہو"؟

اس نے کہا "ترائے میں جلد ہی روانہ ہو رہا ہوں۔ ایک مہینے میں ہم بذریعہ جہاز برطانوی مشرقی افریقہ روانہ ہو جائیں گے۔ اس کی جنگ بہت ہی طول پکڑ گئی تھی مگر آم کار افریقی ہال کامیابی سے ہمکنار ہو چکا ہے۔ آؤ میرے کمرے میں چلو"

میں اوپر ایک بڑے ہال کی نیم روشنی میں گیا جہاں کہ ایکلی اپنا کام کیا کرتا تھا۔ مجھے ایک ہاتھی کا بڑا اور کھورا قالب نظر آرہا تھا بالکل زندہ انسانوں کی طرح دو افریقی آدمی دو غضب ناک ببر شیروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کھڑکی کے قریب ایک سفید گینڈا

ہوا تھا۔ تقریباً سارے فرش پر اس کے کام کرنے کا سامان اور ہر قسم کی چیزیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہاتھی مارنے کی بندوق میز پر پڑی ہوئی تھی۔

فرش پر بکھری ہوئی چیزوں میں سے ہم راستہ بناتے ہوئے داخل ہوئے اور بیٹھ گئے۔ تب ایکلی نے مجھے اپنی کوششوں کا حال سنایا جو اس نے پچھلے سال اپنے عظیم کام افریقی ہال کے لئے روپیہ فراہم کرنے کے سلسلے میں کیں۔ اس نے کہا وہ جلد ہی اس ہال کے لئے جانوروں کی پہلی کھیپ لانے کے لئے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ افریقہ بھیجنے والا ہے۔

ایکلی نے مجھے ہال کا ایک چھوٹا سا نقشہ دکھایا۔ اپنے ذہن میں اس کا خیال آنے کے بعد اس نے فوراً ہی اسے بنا ڈالا تھا۔ ہر چیز بہت ہی چھوٹے پیمانہ پر بنائی گئی تھی اور جانور، گروہ، تصویریں یعنی ہال بالکل ہی ایسا لگ رہا تھا جیسا کہ مکمل ہونے کے بعد لگے گا۔ اس نے کہا مجھے اس بات کا یقین مشکل سے آرہا ہے کہ یہ چیز حقیقت سے ہو سکے گی۔

حالانکہ ایکلی کو اپنے کام میں اس قدر لطف آتا تھا مگر ۶۱ سال کی عمر میں ہی وہ بوڑھا نظر آتا تھا۔ اس کے مضبوط شانے جھک گئے تھے۔ اس کے چہرے سے ان مصیبتوں کے آثار ظاہر ہو رہے تھے جو کہ اس نے جھیلی تھیں۔ اس کے چہرے کے بیچ میں ایک سفید نشان ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا تھا یہ نشان غضب ناک ہاتھی نے ڈالا تھا۔

جب اس نے اپنا دایاں بازو اوپر اٹھایا تو مجھے وہ نشان نظر آرہے تھے جو کہ چیتے نے لگائے تھے۔ ایکلی نے چیتے کو اپنے ہاتھوں سے ہی مار ڈالا تھا۔ آج تک کوئی دوسرا شخص یہ کام انجام نہ دے سکا تھا وہ اپنے اس تجربہ کا ذکر زیادہ نہیں کیا کرتا تھا۔ کیونکہ یہ بہت عرصہ پہلے اس کے افریقہ کے اولین سفر کے دوران صومالی لینڈ میں سنہ ۱۸۹۶ء میں

پیش آیا تھا۔ مگر ایک رات جبکہ ہم عجائب گھر میں کھڑے ہوئے تھے اور نیویارک کی جگمگاتی روشنیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے اس سے یہ کہانی سنانے کی درخواست کی۔

اس نے کہا "میں نے ایک اور جانور کے نشانہ لگایا تھا۔ میں ایک رہنما کو لے کر اسے کیمپ تک لے آنے کے لئے باہر نکلا۔ اندھیرا سا ہو رہا تھا۔ ہم جونہی اس جانور کے قریب پہونچے۔ ایک لکڑ بگھا اس جانور کا سر اپنے منہ میں دبائے ہوئے ہمارے سامنے سے نکل بھاگا۔ لکڑ بگھا اپنے کھانے کے لئے جانوروں کو نہیں مارتا۔ بلکہ جو دوسرے جانور چھوڑ دیں وہی کھاتا ہے۔ مجھے اس پر بڑا غصہ آرہا تھا کیونکہ میں اس جانور کو کھال بھر کر رکھنا چاہتا تھا۔

کیمپ واپس آتے ہوئے میں نے ایک کالی شکل کو درخت کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا۔ یہ سمجھ کر کہ یہ بھی کوئی لکڑ بگھا ہوگا میں نے اس پر نشانہ لگایا۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ حرکت بڑی مجنونانہ تھی۔ جواباً چیتا دھاڑا میں خوفزدہ ہوگیا۔ کیونکہ اس قدر تاریکی میں جب اچھا نشانہ لگانے کا امکان نہ ہو چیتے سے جنگ کرنا وہ آخری چیز تھی جس کے بارے میں کہ میں سوچ سکتا تھا۔ چیتے یوں تو ہر وقت جان لیوا ثابت ہوتے ہیں مگر کوئی زخمی ہو جائے تو پھر وہ لڑنا اسی وقت ترک کرے گا جب وہ مر جائے گا۔

میں یہاں سے جلدی بھاگ جانا چاہتا تھا مگر چیتا غضب ناک ہو رہا تھا۔ اس نے میرے پیچھے آنے کے لئے کاواکاٹا۔ میں نے دوبار گولی چلائی مگر نشانہ چوک گیا۔ پھر مجھے اپنی بندوق بھرنی پڑی۔ اسے بھرنے کی کوشش میں میں بھاگا اور ایک دریا میں جا کودا۔ ٹھیک اسی وقت چیتے نے مجھ پر وار کیا۔ بندوق میرے ہاتھوں سے گر گئی اور اس نے میری گردن دبوچنا چاہی مگر میں مڑ گیا۔ اس طرح میرا دایاں ہاتھ کندھے تک اس کے منہ میں آگیا میری پہلی گولی سے اس کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا اور اسی نے میری جان بچائی۔ ایک پاؤں زخمی ہونے کی بنا پر وہ مجھے چیر ڈالنے کے لئے پچھلے پاؤں پر ٹھیک سے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔

مجھے اس کا وحشیانہ شور اور اپنے گوشت کے چرنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ مگر مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے اس کی گردن اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑ لی۔ تھوڑی دیر کے لیے اس کا سانس رک گیا اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے کھینچ کر اپنا بازو چھڑانا چاہا مگر اسے نہ کھینچ سکا۔ اس نے تڑپ کر اور آگے سے دبا لیا۔ میں نے اس کی گردن پھر دبائی۔ آہستہ آہستہ میں نے اپنا بایاں بازو اس کے منہ سے کھینچا اور دایاں ہاتھ اس کے منہ میں جس قدر گہرائی تک کہ ممکن تھا اندر کر دیا۔ آخر کار ہم دونوں چند مرتبہ لڑھکتے رہے مگر میں اوپر آ گیا۔ میں اس کی پیٹھ پر تھا۔ میرا دایاں ہاتھ اس کے منہ کی گہرائی میں پہنچا ہوا تھا اور میرا بایاں ہاتھ اس کی گردن دبائے جا رہا تھا۔ میں نے اپنے گھٹنوں سے اسے اور نیچے دبایا۔ ہڈیوں کو ٹوٹتا ہوا محسوس کیا۔ اس کے منہ سے خون آنے لگا۔ وہ کمزور پڑتا جا رہا تھا مگر میرا بھی یہی حال تھا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ کیا میں اس سے زیادہ دیر زندہ رہ سکوں گا۔ جس قدر بھی قوت سے کہ ممکن تھا میں نے اپنے دونوں گھٹنوں سے دبایا۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس حالت میں کتنی دیر رہا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کئی گھنٹے ہو چکے ہیں مگر آخر کار وہ بے حس ہو گیا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے سامنے کالے کالے دھبے ابھر رہے تھے مجھے پھریری آئی۔ رہنما بھاگ گیا تھا۔ مگر جب میں نے اسے آواز دی تو واپس آ گیا۔ چیتا بھی مر چکا تھا۔

جب ہم کیمپ پہنچے تو میری حالت بہت خراب تھی۔ میرا بازو چبے ہوئے گوشت کی مانند نظر آ رہا تھا اور میرے کپڑوں میں سے جو کچھ بچ سکا تھا اس میں سے خون بہہ بہہ کر آ رہا تھا۔ لوگ رات کا کھانا کھا رہے تھے جب انہوں نے مجھے دیکھا تو ان پر بخار سا طاری ہو گیا۔ فیلڈ میوزیم کے ڈاکٹر ایلیٹ نے میرے بازو کے ایک ایک سوراخ کو دھویا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس میں سینکڑوں سوراخ پڑ گئے ہیں اسے اس قدر پانی استعمال کرنا پڑا کہ جب پانی ایک سوراخ میں جاتا تھا تو دوسرا سوراخ نظر آ جاتا تھا۔ اس

کام کے فارغ ہونے سے پہلے میں نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش چیتا جیت جاتا۔ مگر
بخار دخار بھی نہیں آیا۔"

ایکلی کا خواب

جب کہ ہم ایکلی کے چھوٹے سے دفتر میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے اور نیویارک کے بازاروں کا شور ہمارے کانوں میں آرہا تھا۔ افر
ایک اور ہی دنیا کا حصہ معلوم ہو رہا تھا۔ مگر میں یہ جانتا تھا کہ یہ ایکلی کے ذہن سے بہ
زیادہ دور نہیں اور وہاں کے اولین سفر کے بعد سے اتنا ہی قریب ہے ایکلی کا بڑا مقصد
تھا کہ اس نامعلوم دنیا کو ممالک متحدہ کے لوگوں کے لئے زندہ حالت میں لے آئے
افریقی ہال وہ بلند ترین کام تھا جس کا خیال تقریباً ۲۰ سال تک ایکلی کی زندگی کے
ہر گھنٹہ میں اس کے ذہن پر چھایا رہا۔ اب وہ خواب حقیقت کا جامہ پہننے ہی والا تھا

درحقیقت اس کا بیشتر حصہ تو پہلے ہی پایۂ تکمیل کو پہونچ چکا تھا۔ آج
نظری تاریخ کے کسی بھی اچھے عجائب گھر میں چلے جائیے۔ آپ کو تماشہ بین بیٹھے جا
مناظر میں دلچسپی لیتے ہوئے نظر آئیں گے۔ آپ ان چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی باتیں
غور سے سنیئے جو بڑے بڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو رہے ہوں — ا
تماش بینوں کی باتیں سنیئے جو جانوروں کے پچھلے حصے میں خوبصورتی سے نقش کئے
ہوئے مناظر کو دیکھ کر اور ماؤں کو اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرتا ہوا دیکھ کر تعجب کا
کر رہے ہوں۔ ایسے لوگ کارل ایکلی کو احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

ایکلی کے زمانہ سے پہلے عجائب گھر میں ہاتھی بھی ایک سادہ سی دیوار کے مقاب
چوکور پتھر پر کھڑا رہا کرتا تھا۔ شاید ایک یا دو لوہے کی سلاخیں فرش پر گڑی ہوئی
تھیں تاکہ جانور گرنے سے بچ سکے۔ یہ سارا منظر بے جان نظر آتا تھا۔ یہ ایکلی ہی تھا
جس نے عجائب خانہ کے حیوانات کو زندگی بخشی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہی کر دیا اس
نے انہیں اپنے اپنے وطن کے حقیقی مناظر کے درمیان رکھا۔

اس تبدیلی کو پیدا کرنے میں اسے زبردست محنت اور قوت صرف کرنی پڑی
ایکلی نے ابتدا جانوروں کی کھال بھرنے سے کی اس کے لیے متعدد کام کرتا رہا۔ اس کا شمار
دنیا کے عظیم ترین شکاریوں میں ہونے لگا مگر اس کے نزدیک شکار اس کے
عظیم تر کام کا صرف ایک جزو تھا۔ وہ صرف تفریح کی خاطر شکار نہیں کھیلتا تھا۔ اس نے
کہا تھا:

"میں نے صرف جانور کو نشانہ صرف اس وقت بنایا ہے جب کہ مجھے عجائب گھر کے
لیے اس کی ضرورت تھی۔ یا اس سے مجھے اپنی جان بچانی پڑی ہو۔"

نیویارک میں روچسٹر کے نزدیک جس کھیت میں کہ ۱۸۶۴ء میں ایکلی پیدا ہوا تھا
وہاں اب ایک نشانی بنی ہوئی ہے۔ ایک عام کاشتکار لڑکے کی طرح وہ بھی اس کام میں
مدد کیا کرتا تھا۔ مگر وہ اپنی فرصت کا ہر لمحہ جنگلوں اور کھیتوں میں پرندوں اور جانوروں
کا مطالعہ کرنے میں صرف کیا کرتا تھا۔ وہ اس کے بہترین دوست بن گئے تھے۔ لڑکپن
ہی سے اسے جانوروں کی کھال بھرنے سے دلچسپی ہو گئی تھی۔ اس نے اس موضوع پر
ایک کتاب پڑھی تھی۔ پھر اس نے لوگوں کو مطلع کر دیا تھا کہ وہ "جانوروں کی کھال بھرنے
کا ہر قسم کا کام نہایت فنکاری کے ساتھ کر سکتا ہے۔

جمبو کو بچانا

جبکہ ایکلی کی عمر ۱۹ سال تھی اس نے اپنے کھیت کو خیرباد کہا تھا
اور روچسٹر میں وارڈس نیچرل ہسٹری کمپنی میں ملازمت کر لی۔
وارڈس والے فطری تاریخ کے مطالعہ کا سامان عجائب گھروں اور سکولوں کے ہاتھ بھی
فروخت کیا کرتے تھے۔ یہ محض ایک کاروباری کمپنی تھی۔

ایکلی کو اس بات پر غصہ سا آیا کہ یہاں جانوروں کی کھال کے پرانے طریقے ہی اب
بھی استعمال کئے جاتے تھے۔ وہ نئے اور بہتر طریقے آزمانا چاہتا تھا۔ مگر اسے اپنی کارگزاریاں
دکھانے کا موقع اس وقت تک نہ مل سکا جب تک کہ وہ اس کمپنی میں دو سال نہ گزار لے

پی ٹی برنم ایک سرکس کا مالک تھا جو سدھے ہوئے جنگلی جانوروں کو اور تربیت یافتہ آدمیوں کو لے کر جو کہ ہر قسم کے دلیری کے کام انجام دے سکتے تھے۔ شہر بہ شہر سفر کرتے کھلے ہوئے میدان میں تماشا دکھایا کرتا تھا۔ ۱۸۸۵ء میں اس کا مشہور ہاتھی "جمبو" ریل گاڑی سے ٹکرا کر مر گیا۔ برنم چاہتا تھا کہ اس ہاتھی کی نمائش کو جاری رکھے۔ مسٹر وارڈ نے ہاتھی کو تیار کرنے کا کام ایکلی کے سپرد کیا۔ یہ کوئی خوشگوار کام نہ تھا۔ ہاتھی کی لاش ڈیڑھ دن تک تیز دھوپ میں پڑی رہی تھی۔ انتہائی کوشش کے بعد ایکلی نے ایک مددگار کے تعاون سے اس کی کھال ٹکڑے ٹکڑے کر کے اتار دی۔

برنم چاہتا تھا کہ جمبو سرکس کے ساتھ اور بازاروں میں گھومے جس طرح اس وقت گھوما کرتا تھا جبکہ وہ دنیا کا مشہور ترین زندہ ہاتھی تھا۔ برنم کی یہ بھی ایک خواہش تھی کہ جب پانچ مہینے بعد سرکس کا موسم شروع ہو تو وہ جانور اس کے افتتاح کے لئے تیار ملے۔ اہم ترین کام جو اسے درپیش تھے یہ تھے کہ کھال اس قدر ہلکی ہو کہ اسے آسانی سے دکھیلا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس قدر مضبوط ہو کہ بارش اور خراب موسم کا مقابلہ کر سکے۔ دوسرے کھال بھرنے والوں نے جواب دے دیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ ایکلی کو بڑی خوشی ہوئی کیونکہ یہ اس قسم کا مسئلہ تھا جس کی کہ اسے تمنا تھی۔

اس نے لکڑی اور لوہے سے ملا کر ہاتھی کا مجسمہ تیار کیا۔ اس پر لکڑی کی تیلی تیلی جیسی چپکا کر اسے بالکل جمبو کی طرح سے ملا دیا۔ ایکلی نے اس پر اس کی کھال منڈھ دی۔ یہ کام اس نے بہت ہی خوبصورتی سے انجام دیا۔ اس طرح بڑے جانوروں کی کھال بھرنے کے ایک نئے طریقے کی ابتدا ہو گئی۔ جمبو وقت پر تیار ہو گیا۔ اور سرکس کے ساتھ کئی سال تک سفر کرتا رہا۔

ایکلی اس کے بعد ایک سال تک اور دارڈ کی کمپنی میں رہا۔ پھر اس نے ملواکی واقع وسکانسن کے عجائب گھر میں ملازمت کر لی۔ اس کا نوجوانی کے زمانہ کا ایک منصوبہ یہ بھی تھا کہ وہ کالج میں سائنس کی تعلیم حاصل کرے۔ مگر اس میں ایک اور خواب ابھر رہا تھا۔ جسے کہ وہ ساری عمر نہ بھول سکا۔ یعنی جانوروں کی کھال بھرنے کو حقیقی فن بنا دینا۔ اس نے محسوس کیا کہ کالج کی زندگی اس کے لئے موزوں نہیں تھی۔ ملواڈکی عجائب گھر میں اس نے چھوٹے چھوٹے جانور تیار کئے اور انہیں ہی منظر میں پیش کیا۔ جس طرح وہ فطری ماحول میں پھولوں۔ چھوٹے چھوٹے سے درختوں اور پودوں میں زندگی گزارتے تھے۔ ایک گروہ جو اس نے تیار کیا۔ وہ اپنی نوعیت کا اولین گروہ تھا جسمیں ان کے جسموں کے پیچھے نقش کئے ہوئے مناظر تھے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ جانور حقیقتاً کس طرح زندگی گزارتے تھے۔

ملواڈکی میں آٹھ سال تک ملازمت کرنے کے بعد ۱۸۹۲ء میں جبکہ اس کی عمر ۳۰ سال تھی۔ اسے لندن میں فطری تاریخ کے برطانوی عجائب گھر میں تیاریوں کے عہدہ کا چارج سنبھالنے کی پیشکش کی گئی۔ یہ بڑا عجیب وغریب موقع تھا۔ مگر انگلستان جاتے ہوئے وہ شکاگو کے نئے "فیلڈ میوزیم" میں رک گیا۔ ڈاکٹر جی۔ ڈی ایلیٹ نے اس سے کہا کہ وہ یہیں رک جائے اور عجائب گھر کے لئے پستانئے (MAMMALS) تیار کرے۔ ایکلی نے اپنا لندن کا ارادہ تبدیل کر دیا۔ اور فوراً ہی نئی ملازمت پر کام شروع کر دیا۔

دس سال بعد وہ ڈاکٹر ایلیٹ کے ساتھ بذریعہ جہاز افریقہ کی اولین مہم پر روانہ ہو گیا۔ جس سے کہ بعد میں اسے بڑی محبت ہو گئی تھی۔

ایکلی کو انتہائی خوشی ہوئی کہ آخر کار ان جانوروں کو دیکھنے کا موقع مل جائے گا۔ جنہیں کہ وہ عجائب گھر کے لئے تیار کرے گا۔ اسے تازہ تازہ ماری ہوئی لاشوں کا مطالعہ

کرنے اور ان کی بذات خود پیمائش کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ بنفس نفیس اس طرح مطالعہ کیے بغیر وہ ان طریقوں پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا تھا جن کا کہ وہ جانوروں کی کھال بھرنے کے فن کے مستقبل کے بارے میں خواب دیکھا کرتا

اس مہم کے دوران اسے چیتے کے ساتھ تجربہ پیش آیا تھا۔ اس کی زبردست طاقت اور حوصلے نے اسے تعجب انگیز حد تک مختصر مدت میں دوبارہ صحت مند بنا دیا۔

بشمول اس تجربے کے ایکلی نے ہر تجربہ کو قبول کیا۔ اس پر غور وخوض کیا اور اس سے جو سبق حاصل ہوا اسے جنگلی جانوروں کے بارے میں اپنی اپنی معلومات کا جزو بنایا۔ دن بدن حیوانات کے بارے میں اس کی بلند رائے اور محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ان کے ذہنوں میں اتر کر ان کے خیالات کو سمجھ سکتا ہے یہ کام صرف وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو ان سے حقیقتاً محبت کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس قدر زبردست شکاری بن گیا۔

افریقہ کے تجربات

پہلی ہی مہم نے ایکلی کے دل میں افریقہ کی محبت پیدا کر دی اس نے طے کر لیا کہ اب اس کی زندگی کس کام میں گزرے گی۔ افریقہ میں اس نے حیوانات کو دنیا کے ابتدائی ادوار کی طرح زندگی گزارتے ہوئے پایا۔ اس نے ایسے لوگ بھی دیکھے جنہوں نے کبھی سفید فام انسان کو نہیں دیکھا تھا۔

اپنی وفات کے دن تک ایکلی نے ہر ذی روح کا تجربہ چاہے وہ انسان ہو یا جانور بالکل صاف اور کھلے ہوئے ذہن کے ساتھ کیا۔ وہ کسی انسان یا جانور کو صرف اسی کی ذاتی قدر وقیمت کی بنا پر پسند کیا کرتا تھا۔ اسے ہاتھیوں سے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ کیونکہ وہ اسے عقل مند، محبت کرنے والے سمجھدار نظر آئے تھے اس کے چیتوں

کو بھی پسند نہیں کیا کیونکہ یہ ہر قسم کی مردہ چیز کو کھا جاتے ہیں۔ وہ شیر ببر کو نفیس جانور تصور کرتا تھا۔ گینڈوں کو دیکھ کر تو اسے ہنسی آجاتی تھی۔

لوگوں کو ایکلی نے بتایا کہ گینڈے کا شمار انتہائی خطرناک جانوروں میں ہوتا ہے وہ بہت بڑے ہوتے ہیں اور انسان کی طرف بغیر کسی وجہ کے جھپٹ پڑتے ہیں۔ اگر کوئی انسان ان کی گرفت میں آجائے تو اس کی موت یقینی ہو جاتی ہے۔ ان کے ساتھ تو بس یہی کرنا چاہیئے کہ انہیں بغیر کسی موقع کا انتظار کئے ایک دم گولی کا نشانہ بنا دیا جائے۔ بہر حال ایکلی کا خیال تھا کہ گینڈے کی حرکات بالکل احمقانہ ہوتی ہیں۔ وہ لوگوں کی باتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔

کچھ عرصہ بعد ایکلی کو پتہ چلا کہ گینڈے کا دماغ زیادہ نہیں ہوتا۔ اس خسہ میں سے صرف اس کی ناک ہی ٹھیک ٹھیک کام کرتی ہے۔ جب وہ ہوا میں کسی چیز کو سونگھ لیتا ہے تو وہ چاروں طرف دیوانہ وار دوڑنے لگتا ہے۔ بغیر کسی واضح مقصد کے پہلے وہ ایک سمت میں دوڑتا ہے۔ پھر دوسری طرف دوڑنے لگتا ہے۔ اگر اس کی ناک سے اس چیز کا احساس غائب ہو جاتا ہے جسے کہ وہ تلاش کر رہا تھا اور اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اسے دیکھنے سے قاصر رہتی ہیں تو وہ یہ بھی بھول جاتا ہے کہ اس نے کیا کام شروع کیا تھا۔ اور وہ نہایت اطمینان کے ساتھ سو جاتا ہے۔

کھال بھرنے کے نئے طریقے

ایکلی شمالی لینڈ کی مہم سے ۱۸۹۶ء میں شکاگو واپس لوٹا۔ تو اسے دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے والے نیلڈ میوزیم میں تیاریوں کے دفتر کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ درمیانی عمر کی بنا پر اس کی قوت و طاقت اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس کا قد نہ لمبا تھا نہ پست۔ اس کا سر کافی بڑا اور شانے طاقت ور تھے۔ حالانکہ اس کا سنہ کا شکاروں کے مخصوص انداز میں لٹکا رہتا تھا۔ پھر بھی کسی دوست کو دیکھتے ہی اس پر خود مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

ہر انسان یہ جان سکتا تھا کہ اس کی زندگی ایک اہم مقصد کی لگن میں صرف ہو رہی ہے۔ اور یہ کہ اس کے لئے اس کے پاس وقت کم تھا اور وقت کسی کا انتظار نہیں کیا کرتا۔ جو کام اسے کرنا تھا اس کے لئے اسے روزانہ بہت ہی کم وقت مل پاتا تھا۔ نیند تو ایک لازمی مصیبت تھی۔ وہ اسی وقت سوتا تھا جب کہ اس کا تھکا ہوا جسم چیخ چیخ کر آرام کا مطالبہ کرتا تھا۔

اس کے کھال بھرنے کے نئے طریقوں کی دریافتیں یکے بعد دیگرے اس قدر تیزی کے ساتھ نمودار ہو رہی تھیں کہ چند طریقے تو ان پر عمل درآمد کی ابتدا کے ساتھ ہی بہت پیچھے رہ گئے۔ مگر ہر طریقے نے عجائب گھر کی نمائشوں کے لئے وسیع تر طریقوں کی راہ بھی کھول دی۔ ایکلی کو کمال حاصل کرنے کی تمنا رہتی تھی۔ اس لئے اسے کبھی بھی خوشی محسوس نہ ہو سکی۔

اس کا مقصد اس قدر بلند تھا کہ وہ ان لوگوں کی سمجھ میں ہرگز نہیں آسکتا تھا جو کہ اس عجائب گھر کے انچارج تھے۔ بعض اوقات وہ جب یہ دیکھتے تھے کہ اس کے کام کے نتائج دنیا بھر میں سب سے اچھے ہیں تو وہ پریشان سے ہو جاتے تھے۔ ان کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ اپنے حصول کمال کی دوڑ کچھ آہستہ کر دے۔ مگر وہ تو اس سے کم قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہ تھا۔ اس عجائب گھر کے ڈائرکٹروں نے محسوس کیا کہ انہوں نے ایک عظیم انسان دریافت کر لیا ہے۔ وہ اس کی امداد کرنے کی انتہائی کوشش کرتے تھے۔

کھال بھرنے کو حقیقی فن کا درجہ دینے کے لئے ایکلی نے جو جو اقدام کئے انہیں وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے بڑی طوالت درکار ہے۔ مختصراً یہ قصہ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے

کھال بھرنے کے ابتدائی ایام میں جانور کی ٹانگوں میں لوہے کی سلاخیں رکھی

جاتی تھیں۔ اور انہیں اس کے جسم میں ایک تختے سے باندھ دیا جاتا تھا۔ پھر ڈھیلی کھال میں جس قدر بھی نرم چیز بھری جا سکتی تھی بھری جاتی تھی۔

جب ایکلی پہلی مرتبہ وارڈ کی کمپنی میں گیا تو اس وقت تک لوگ پرانے طریقے استعمال کرنا ترک کر چکے تھے۔ نئے طریقے کی رو سے متعلقہ جانور سے ملتی جلتی ایک شکل بنائی جاتی تھی۔ اس پر مٹی تھوپ دی جاتی تھی۔ جبکہ یہ مٹی گیلی ہی ہوتی تھی اس پر کھال چپکا دی جاتی تھی۔ اس کے چہرے اور سر کو اس طرح بنایا جاتا تھا کہ جس حد تک بھی ممکن ہو وہ حقیقی جانور کی طرح معلوم ہو۔ یہ بہت ہی گھٹیا طریقہ تھا۔ جب سر خشک ہو جاتا تو کھال پھٹ جاتی تھی۔ اس کی صورت بدل جاتی تھی اور یہ سکڑ جاتا تھا۔ پھر حقیقی جانور سے اس کی مشابہت بہت کم ہو جاتی تھی۔

اس سے اگلا قدم یہ تھا کہ مٹی کی ایک شکل ناپ تول کر اور بڑی احتیاط کے ساتھ تیار کی جاتی تھی۔ جو من وعن حقیقی جانور کی طرح ہوتی تھی۔ مٹی کی اس شکل سے ایکلی نے اس سے ہلکے مگر مضبوط مادہ کی شکل بنائی جس میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ اس دوسری شکل پر کھال چڑھائی گئی۔

ایکلی کے طریقوں سے عجائب گھروں میں نمائش کے لئے بڑے جانور تیار کرنے کا طریقہ بالکل بدل گیا۔۔۔۔ آج دنیا کے ہر جدید عجائب گھر میں اس کے نتائج دیکھے جا سکتے ہیں کیونکہ ایکلی اپنے کام کرنے کے طریقے بڑی آزادی کے ساتھ بتا دیا کرتا تھا۔ لوگ اس کے پاس سیکھنے کے لئے آتے رہتے تھے۔

جیمس۔ ایل۔ کلارک اس کا بہترین شاگرد تھا۔ وہ ایکلی کے پاس اس کے طریقے سیکھنے کے لئے فطری تاریخ کے امریکی عجائب گھر سے آیا تھا۔ ایکلی نے بڑی خوشی کے ساتھ اسے سکھایا۔ اور بعد میں وہ دونوں ہاتھی کے شکار کے لئے افریقہ ساتھ ساتھ گئے تھے۔ اس کے بہت عرصے بعد جب ایکلی کا انتقال ہو گیا تو کلارک نے افریقی ہال کی تکمیل

میں رہنمائی کا کام انجام دیا۔

کارل جن دنوں فیلڈ میوزیم سے وابستہ تھا اس نے ایک حسین اور خاموش طبع عورت سے شادی کر لی۔ جس نے اپنی زندگی کو اس کی زندگی سے مکمل طور پر ہم آہنگ کر دیا۔ بعد میں وہ افریقہ کے کئی سفروں میں اس کے ساتھ گئی۔

ڈیلیا ایکلی ان کے دوستوں کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتی تھی۔ افریقہ میں اس نے اپنے شوہر کے کام میں بہت مدد دی وہ بڑی اچھی شکارن بن گئی تھی۔ ایک سفر کے دوران اس نے ایسے ہاتھی کو نشانہ بنایا جسے لوگوں نے افریقہ میں شکار ہونے والا عظیم ترین ہاتھی قرار دیا۔

دلچسپ ہاتھی

اپنے جمبو والے تجربہ کے بعد سے ہی ایکلی ہاتھیوں کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ شاید وہ انہیں ان کی جسامت، زبردست قوت اور تقریباً انسان جیسے ذہن کی بنا پر پسند کرتا تھا۔ ہمیشہ اس کی یہ خواہش رہی تھی کہ وہ انہیں ان کی جنگل کی رہائش گاہ میں ہی دیکھے اور ان کا مطالعہ کرلے۔ چنانچہ جب ۱۹۰۶ء میں فیلڈ میوزیم نے اسے کچھ ہاتھی لانے کے لئے برطانوی مشرقی ایشیا روانہ کیا تو وہ بچوں کی طرح خوشی سے پھولا نہ سمایا۔

اسے یہ پتہ چلا کہ ہاتھیوں کا مطالعہ کرنا بہت دشوار ہے۔ ممکن ہے کوئی شخص یہ سوچے کہ اتنے بڑے جانور کو دیکھ لینا آسان ہوتا ہوگا۔ مگر یہ درست نہیں ہے جنگل کی دھوپ چھاؤں میں اس کا جسم سیاہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ جب یہ بالکل ہی خاموش ہو جاتا ہے تو اس بات کا بھی امکان رہتا ہے کہ انسان تقریباً اس سے جا ٹکرائے اور پتہ بھی نہ چل پائے کہ وہ وہاں کھڑا ہوا ہے۔ یہ عظیم جانور گھنے سے گھنے جنگل میں سے ذرا سی بھی آواز پیدا کئے بغیر گزر سکتا ہے۔

ایکلی نے بیان کیا ہے کہ وہ ایک گھنے جنگل میں ایک بوڑھی ہتھنی کے اس

قدر قریب پہنچ گیا تھا کہ کھاتے ہوئے اس کے پیٹ کے اندر کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ مگر جب اسے پتہ چلا کہ وہ اس کے قدر قریب پہونچ گیا ہے تو اس کی ...چا رک گئیں۔ اسے پتہ بھی نہ چلا اور وہ وہاں سے نکل گئی۔

افریقہ کے شکاریوں میں یہ اختلاف رائے برابر چلا آرہا ہے کہ سب سے زیادہ خطرناک اور جان لیوا ہاتھی ہے یا شیر ببر ہے یا کوئی اور جانور۔ مجھے یہ پتہ ہے کہ ایکلی کا خیال یہ تھا کہ سب سے زیادہ ہاتھیوں سے ڈرنا چاہیئے۔ یہ خیال محض اس بنا پر نہیں تھا کہ اسے ایک ہاتھی سے نقصان بھی پہنچ چکا تھا۔ وہ اکثر یہ کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص برابر ہاتھیوں کا شکار کرتا رہے گا تو یا تو اسے مار ڈالا جائے گا۔ یا مرنے سے بال بال بچے گا۔ ایکلی کے جن دوستوں نے اس کے ساتھ شکار کھیلا ہے انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ہمیشہ بہت ہی محتاط رہا کرتا تھا۔ اس کے باوجود ایک ہاتھی نے اسے جا ہی لیا تھا۔

یہ واقعہ کوہ کینیا کی کافی بلندی پر پیش آیا تھا۔ ایکلی تین بڑے بڑے ہاتھیوں کے قدموں کے نشانات کا تعاقب کر رہا تھا۔ صبح سویرے ہی وہ اسے ایک جنگل میں مل گئے۔

جب کہ وہ بندوق اپنے جسم سے لگائے ہوئے کھڑا تھا۔ ایک ہاتھی یکایک اس کی طرف جھپٹ پڑا۔ بندوق بھی سر نہ ہو سکی۔ ہاتھی نے اسے نیچے گرا دیا اور اس کے جسم کو دبانے لگا۔ اس کی بہت سی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ مگر وہ ایسی چٹان کے سہارے جا کر گرا تھا جو کہ اس کے جسم سے بہت اونچی تھی۔ ہاتھی کا سر چٹان سے ٹکرا گیا۔ اور چونکہ ہاتھی اسے زمین پر اور زیادہ نہ دبا سکا۔ اس لئے اس کی جان بچ گئی۔ ہاتھی پیچھے ہٹا اس نے ساتھیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اس نے کارل کو چھوڑ دیا اور ان کے پیچھے جا پہنچا۔ بہر حال وہ مختلف سمتوں میں بھاگ گئے اور کوئی بھی گرفت میں نہ آسکا۔

ایکلی رات بھر سردی میں پڑا رہا کیونکہ رہنماؤں نے سوچا تھا کہ وہ مر چکا ہے اور وہ
اس کے ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ آخرکار جب وہ بولنے کے قابل ہو سکا تو انہیں پتہ چلا
کہ وہ مرا نہیں تھا اور وہ اس کی دیکھ بھال کرنے لگے۔ ان میں سے کوئی مسز ایکلی کو بلانے
کے لئے دوڑا مگر وہ سورج طلوع ہو جانے کے بعد تک نہ پہنچ سکی۔

مسز ایکلی نے بعد میں مجھے بتایا تھا کہ ایکلی کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس
کی کھوپڑی پر سے بال اور کھال علیحدہ ہو چکے تھے۔ ایک آنکھ بند ہو گئی تھی۔ ناک
ٹوٹی ہوئی تھی اور اس کا آدھا چہرہ بالکل پھٹ چکا تھا۔ بہت سی ہڈیاں ٹوٹ
گئی تھیں۔ اور اس کے منہ کے گوشوں سے خون بہے جا رہا تھا۔ وہ جانتی تھی اس کا کیا
انجام ہو گا۔ چنانچہ وہ انتہا کی خوفزدہ تھی۔ مگر آخرکار ایک ڈاکٹر وہاں آ پہنچا اور اس
کی جان بچ گئی۔

حالانکہ ہاتھی اس قدر لڑاکا ہوتا ہے۔ پھر بھی ایکلی یہ کہا کرتا تھا کہ اگر اسے
تنہا چھوڑ دیا جائے تو یہ اپنے خاندان کے ساتھ صرف پرسکون زندگی گزارنا چاہتا ہے
یہ عقل مند جانور ہوتا ہے اور بہت سے کام انجام دے سکتا ہے۔ اور ایک قسم کی دوستی
کا بھی احساس کر سکتا ہے۔ انہی باتوں کی بنا پر اسے ہاتھی سے اس قدر دلچسپی
ہو گئی تھی۔

ایک نئی قسم کی گن

جبکہ ایکلی فیلڈ میوزیم کے لئے ہاتھی تیار کیا کرتا تھا۔ وہ بالکل
ہی نیا طریقہ ایجاد کرتا تھا۔ اس کے نتیجے میں ایک نئے قسم کی
ایجاد ہو گئی۔ یہ سیمنٹ پھینکنی تھی۔ سیمنٹ ایک قسم کا سامان تعمیر ہوتا ہے۔ جو مخصوص قسم کی
مٹی اور پانی سے مل کر بنایا جاتا ہے۔ اور خشک ہو کر پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔
اس زمانہ تک عجائب گھر ایک پرانی اور بے تکے انداز کی بنی ہوئی عمارت
میں تھا۔ باہر کی دیواروں کا سیمنٹ کا پلستر گرتا جا رہا تھا۔ اور عجائب گھر کے پاس

یہ نہیں تھا کہ وہ اسے ٹھیک کروا لیتا۔ جیسا کہ معمول تھا جب بھی کوئی مسئلہ اٹھتا خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو مدد کے لئے ایکلی کو ہی بلایا جاتا تھا۔

ہاتھی کی شکل پر کھال چڑھا دینے کے بعد اس میں مادہ بھرنے کے لئے ایکلی ایک گن یعنی ایسی بڑی سی مشین استعمال کیا کرتا تھا۔ جس میں ہوا پھینکنے کی قوت تھی۔ اس نے سوچا کہ دیوار پر سیمنٹ چپکانے کے لئے مشین سے کام کیوں نہ لیا جائے۔ کسی بھی اسٹور میں اس قسم کی کوئی چیز موجود نہیں تھی اس لئے اس نے خود ایک مشین بنائی۔ اس زمانہ میں میں ایکلی سے ملنے شکاگو گیا تھا۔ وہاں میں نے ایکلی کو ان مزدوروں کو ہدایات دیتے ہوئے دیکھا جو کہ عمارت کو ٹھیک ٹھاک کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ جس طرح وہ اپنے کمرے میں جانوروں کو تیار کیا کرتا تھا۔ یہ کام اس سے بہت مختلف تھا مگر ایکلی جو کچھ بھی کرتا تھا لوگوں کو اس پر تعجب نہیں ہوتا تھا۔

یہ گن (GUN) اس قدر کامیاب رہی کہ وہ اور اس کا معاون اس سے بہتر قسم کی گن بنانے میں مصروف ہو گئے۔ دو سال کے بعد یہ مکمل ہو گئی۔ اور ایک کمپنی "سیمنٹ گن کمپنی" کے نام سے قائم ہو گئی۔ دنیا بھر میں اس گن کا استعمال عام ہو گیا۔ اسے پہلی عالمگیر جنگ عظیم کے دوران سیمنٹ کے جہازوں پر اور سول انجینئرنگ کے بہت سے کاموں میں استعمال کیا گیا۔

افریقہ میں جس زمانے میں کہ وہ بیماری سے نجات پانے کے بعد صحت یاب ہو رہا تھا اس نے ایک عورت کو ایک چھوٹے پالتو جانور کا دودھ دوہتے ہوئے دیکھا۔ اپنی ہی مرضی سے اس نے دودھ دوہنے کی مشین بنا ڈالی جو بہت ہی کامیاب ثابت ہوئی تھی۔

ان تیرہ سالوں کے دوران جبکہ ایکلی فیلڈ میوزیم سے وابستہ تھا اس نے دو بڑے ہال کے بارے میں منصوبہ بنایا تھا اس نے سوچا کہ ایک تو ریاست الی نوئے

کے پرندوں کے لئے مخصوص ہوگا اور دوسرا شمالی امریکہ کے جانوروں کے لئے مخ
گھر کا صدر مارشل فیلڈ جو اس کا گمراہ دست تھا وفات پا گیا۔ چنانچہ ان دنوں
خیال ترک کر دیا گیا۔ ایکلی نے محسوس کیا کہ فیلڈ میوزیم کے لئے جس قدر بھی اس ک
تھا وہ اس نے کیا تھا۔ ۱۹۰۹ء میں اس نے نیویارک کے نیچرل تاریخ کے ا
گھر کے لئے افریقہ جا کر ہاتھی کا ایک گروہ لانے کی پیشکش کی۔ اس کی تجویز م
گئی۔ اور اس نے اس مہم کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اس سے کچھ عرصہ پہلے تھیوڈور روزویلٹ نے جو کہ اس زمانہ میں ممالک متح
صدر تھا ایکلی کو وہائٹ ہاؤس میں اپنے ساتھ رات کا کھانا کھانے کی دعوت دی
اس شام روزویلٹ نے ایکلی سے کہا تھا کہ اس نے منصوبہ بنایا ہے کہ واشنگٹن س
ہونے کے بعد وہ شکار کھیلنے کے لئے الاسکا جائے گا۔ مگر اس شام کے خاتمہ سے پہلے
ایکلی کی افریقہ کی کہانیوں سے اس قدر دلچسپی پیدا ہو گئی کہ اس نے طے کر لیا کہ و
الاسکا کی بجائے افریقہ جائے گا۔ اور واشنگٹن کے عظیم عجائب گھر کے "اسمتھ سو
نیئن" کے لئے جانوروں کا شکار کرے گا۔

روزویلٹ کے ساتھ افریقہ میں

جس زمانہ میں روزویلٹ افریقی مہم کا منصو
کر رہا تھا۔ ایکلی اکثر وہائٹ ہاؤس جایا کر
اس کی صدر سے گہری دوستی ہو گئی تھی۔ روزویلٹ چاہتا تھا کہ ایکلی بھی اس کے
جائے مگر امریکی نیچرل تاریخ کے امریکی عجائب گھر سے وعدہ کر چکا تھا کہ وہ
لئے ہاتھیوں کا ایک گروہ لے کر آئے گا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ
کس طرح ہم آہنگ ہو سکتی ہیں۔ مگر انہوں نے طے کر لیا کہ افریقہ میں ان کی
ضرور ہو گی۔ اور صدر اس بات کے لئے راضی ہو گئے کہ وہ کم از کم ایک جانو
گروہ کے لئے ضرور شکار کریں گے۔ اس گروہ میں مادہ، بچے اور نر بھی شامل ہ

جب سن ۱۹۰ء میں ایکلی نیویارک سے روانہ ہوا تو اس کا پرانا دوست جمی کلارک نو مہینے پہلے سے ہی افریقہ میں موجود تھا۔ وہ لبطور معاون اس کے ساتھ شریک ہو گیا۔ ان کی ملاقات روز ویلیٹ کی جماعت سے ہو گئی۔ جم کو ایکلی کیمپ چھوڑ کر بارل رات گزارنے کے لئے روز ویلیٹ کے ساتھ چلا گیا۔ ان کی جماعت کو اس دن ہاتھی نظر آئے تھے۔ اگلی صبح پتہ چلا کہ آٹھ مادائیں اور بچے ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ انہیں ایک پہاڑی کی آڑ میں چھپ کر دیکھتے رہے۔ ایکلی نے ایک مادہ کی طرف اشارہ کیا کہ اپنے گروہ کے لئے وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ایکلی کو امید تھی کہ روز ویلیٹ جہاں کھڑا ہوا ہے وہیں سے نشانہ لگا دے گا۔ اس کے بجائے روز ویلیٹ سیدھا ہاتھیوں کی طرف چل دیا۔ یہ بات ایکلی کے لئے خوشی کا باعث نہیں تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ہاتھی کس قدر جان لیوا ہوتے ہیں۔ مگر اس وقت اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ بھی مدد کے لئے روز ویلیٹ کے پیچھے پیچھے ہو لے۔

وہ اس کھلے میدان کے آدھے حصے تک ہی پہنچا تھا کہ مادہ نے اپنے کان کھڑے کئے اور ایک غضب ناک چیخ کے ساتھ روز ویلیٹ پر جھپٹی۔ روز ویلیٹ کے کا سارے گروہ نے بندوق سر کی اور ہتھنی گھٹنوں کے بل گر پڑی مگر وہ پھر بڑے وحشیانہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی اب وہ روز ویلیٹ پر جھپٹ پڑا۔ صدر نے پھر گولی چلائی۔ ہتھنی گر گئی اور وہیں پر پڑی رہی۔ مگر دوسرے بالکل نہ رکے۔ اس گروہ کا رخ موڑنے کے لئے ایکلی اور کرمٹ کو گولی چلانی پڑی۔ بالکل صحیح وقت پر انہیں کامیابی ہو گئی۔ مگر انہیں دو اور جانوروں کو مارنا پڑا۔ اگر ان ہاتھیوں کے جھپٹنے میں رکاوٹ نہ ڈالی جاتی تو وہ ان لوگوں کو مار چکے ہوتے۔

اب ایکلی کے سامنے یہ بھاری کام آن پڑا تھا کہ چلچلاتی دھوپ میں انکا گوشت

سڑ جانے سے پہلے پہلے ان تینوں ہاتھیوں کی کھالیں اتار لے۔ اس نے اپنے کیمپ میں کلارک کو بلا بھیجا اسے کہلوایا کہ وہ فوراً ہی اپنے آدمی اور نمک لے کر آ پہنچے تاکہ کھالیں تیار کی جائیں۔ کلارک فوراً ہی ایک رہنما کو لے کر نکل کھڑا ہوا۔ مگر راستہ بھول گیا۔ آخر کار اس کی مڈبھیڑ کرمٹ روزویلٹ کی جماعت سے ہو گئی۔ انہوں نے دو مزید رہنما اس کے ساتھ کر دیئے۔ وہ لوگ بھی راستہ بھول گئے۔ کلارک کو ساری رات بھٹکتے ہوئے جنگل میں گزارنی پڑی۔ وہ اگلی صبح کافی دن چڑھے ایکلی کو تلاش کر سکے۔

کلارک نے جب یہ دیکھا کہ کارل تینوں ہاتھیوں کی کھال اتار چکا تھا تو اسے بڑا تعجب ہوا۔ وہ اور اس کے آدمی رات بھر انتہائی تن دہی کے ساتھ کام کرتے رہے تھے۔ انہوں نے اس کام کے ختم کرنے میں اپنے جسم کی تقریباً تمام قوت صرف کر دی تھی۔

اس کے باوجود ان کی محنت و مشقت کے نتائج بلکہ خود ان کی جانیں ضائع ہونے سے بال بال بچ گئیں۔ کچھ فاصلے پر آگ لگی ہوئی تھی۔ تیز ہوا چلنے کی بنا پر وہ آگ یکایک جھپٹتی ہوئی ان کے کیمپ کی طرف آ پہنچی۔ مدافعتی آگ جلانے اور اپنی پوری قوت کے ساتھ اس کے خلاف جنگ کرنے کی بدولت ہی وہ اس آگ میں گھر کر زندہ جل مرنے سے بچ پائے۔ ان میں سے کچھ لوگ بری طرح جل گئے تھے اور باقی تمام اس حالت کو پہنچ گئے تھے کہ کام کرتے کرتے گر پڑیں۔

مردہ ہاتھی تیار کرنا

مردہ ہاتھی تیار کرنے میں بڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جب کہ اس کام کو اس قدر احتیاط کے ساتھ کیا جائے جتنی کہ ایکلی چاہتا تھا۔ جب لاشوں کے اندر کی دوسری باتوں کے ساتھ چلچلاتی دھوپ بھی شامل ہو جاتی ہے جو کہ اس علاقہ کی ایک عام بات ہے تو کھال چند گھنٹوں کے بعد ہی سڑنے لگ جاتی ہے۔ ایکلی کا طریقہ یہ تھا کہ وہ لاشوں کو سائبان سے ڈھک دیا کرتا تھا اور پھر اس کے آدمی نمک کے تیز مسالے

ے کھال کو دھوتے رہتے تھے۔

کھال کو چار ٹکڑے کر کے اتارا جاتا تھا۔ پہلے ایک جانب سے پھر دوسری جانب سے۔ کھال اتر جانے کے بعد تو دراصل اس کا کام شروع ہوتا تھا۔ اس کی کھال ۲ انچ موٹی ہوتی ہے۔ اسے آہستہ آہستہ اس قدر پتلا کرنا ضروری ہے کہ اس کے اندر تک نمک سارا بھرا جا سکے۔ ان نمک لگی ہوئی اور سوکھی ہوئی کھالوں کو پھر کمروں میں رکھ دیا جاتا تھا اور اوپر سے کوئی تیل کی سی چکناہٹ والی چیز ان پر ڈھک دی جاتی تھی تاکہ پانی اندر نہ پہنچ سکے۔

اس بڑے ہاتھی کو مارنے کا تجربہ جو کہ اب امریکی عجائب گھر کے گروہ کے درمیان کھڑا ہوا ہے دوسرے ہاتھیوں کو مارنے سے قطعی مختلف تھا۔ گولی لگنے کے بعد یہ ہاتھی خود اپنے شکاریوں کو شکار کرنے لگا تھا۔

ایکلی کو ایک گھنے جنگل میں ہاتھیوں کے ایک گروہ کا پتہ چلا۔ ایک کھلے ہوئے حصے میں سے اسے ایک عجیب ہاتھی نظر آیا۔ اسے دیکھ کر ٹھیک ٹھیک یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ دنیا کے عظیم ترین جانور کس قسم کے ہوں گے۔

ایکلی کو یہ سوچنا پڑا کہ اس کے سر میں گولی لگانے کے لئے بہترین جگہ کونسی ہوگی۔ کیونکہ اسے اس کی آنکھ نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے گولی چلاتے ہی جنگل میں ایک وحشیانہ شور برپا ہو گیا۔ کیونکہ اس گروہ کے ہاتھی چھپے ہوئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ وہ ہاتھی گر پڑا مگر پھر اٹھا اور اکیلا چل نکلا۔ دو گھنٹے تک ایکلی اور اس کا رہنما اس کا تعاقب کرتے رہے۔ یہ ایک ہاتھی جنگل ہی سے نکل کر ان دونوں کی طرف جھپٹا۔ اگر وہ ہاتھی ان کی طرف بالکل سیدھا دوڑ کر آیا ہوتا تو وہ ہرگز نہیں بچ سکتے تھے۔ مگر اس گھنے جنگل میں وہ لوگ اسے نظر نہ آ سکے اور اس کو انہیں تلاش کرنے کے لئے صرف اپنی ناک اور کان استعمال کرنے پڑ رہے تھے۔ کافی دیر تک اس کا تعاقب کیا جا چکا تھا۔ اب وہ اپنے شکاریوں کا

انتظار کرنے کے لئے پلٹ آیا تھا۔

ایکلی نے جلدی جلدی دو گولیاں چلائیں۔ تھوڑی دور تک تو ہاتھی برابر دوڑتا رہا۔ اس کے بعد وہ پھر رک گیا۔ ایکلی کو اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ تھوڑی دیر میں گر جائے گا۔ اس لئے وہ انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر میں ہاتھی نے اپنے حواس مجتمع کئے۔ اور ان دونوں کی طرف بڑے وحشیانہ انداز میں پھر جھپٹا۔ مگر یہ ان تک نہ پہنچ سکا اور جنگل ہی میں مر کر گر پڑا۔ یہ ایسا نر تھا جس کے لئے کہ ایکلی دو سال سے تلاش کر رہا تھا۔

نیویارک میں ایکلی نے ہاتھی تیار کرنے کا ایک بالکل ہی نیا طریقہ استعمال کیا سب سے پہلے تو اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ اس کی کھال کو کپڑے کی طرح ملائم بنایا جائے۔ ایکلی کئی سال سے اس کا طریقہ دریافت کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ آخرکار وہ اسمیں کامیاب ہو گیا۔ کھال تیار کرنے میں جب بارہ ہفتے لگ جاتے تھے اس عرصہ میں اسے انتہائی احتیاط کے ساتھ تراش تراش کر اتنا پتلا کر لیا جاتا تھا کہ کسی بھی جگہ اس کی موٹائی پاؤ انچ سے زیادہ نہیں رہتی تھی۔

ایکلی کا طریقہ اس قدر مشکل ہے کہ مکمل طور پر اس کی تشریح نہیں کی جا سکتی مگر اس مرتبہ شکل بناتے اور اس کے بعد اس پر کھال چپکانے کی بجائے اس نے کھال کے اندر ہی ہاتھی کی شکل بنائی۔ اس طرح بڑے بڑے ہاتھیوں کو تیار کرنے کے طریقوں کو اس نے یکسر بدل کر رکھ دیا۔

ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو میرا یہ کہنا "کہ اس نے یکسر بدل ڈالا تھا" بغیر غور کئے کہی ہوئی بات نظر آتی ہو۔ مگر یہ بالکل حقیقت ہے۔ سارے عجائب گھروں میں ایکلی کے طریقوں کا قدم بہ قدم اتباع کیا گیا۔ اسنے بڑی آزادی کے ساتھ اپنے کام کے ہر جزو کی تشریح کردی ہے۔ ہر مرتبہ اس کی کوششوں نے تیاری کے کسی نہ کسی میدان میں ایک نئے یا بہتر طریقے

ہے ۔ جو لوگ بھی اسے استعمال کر سکتے تھے، ان میں یہ انتہائی وسعت
خراج ہو گیا۔ اکثر اس نے عجائب گھروں کے ملبسوں میں شریک ہو کر اپنے
کی وضاحت کرنے کے لئے ایسے ایسے سفر بھی کئے ہیں جن کی کہ اس کا وقت اور اس
اجازت نہیں دیتے تھے۔

جب بھی وہ کسی جانور کو تیار کرتا تھا پہلے اس کی ایک چھوٹی سی مٹی کی شکل بنا لیا
جو کہ زندہ جانور کی حقیقی وضع وصورت اور انداز کی ترجمانی کر سکے۔ یہ آرٹ کے
مکمل نمونے ہوتے تھے۔ اس کے آرٹ کی دنیا کے دوست اس سے کہا کرتے
شکلیں اتنی شاندار ہوتی ہیں کہ انہیں آسانی سے فروخت کیا جا سکتا ہے مگر
اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ بہرحال بعد میں جبکہ افریقی ہال کا خواب اس کے ذہن میں
تو اس نے یہ محسوس کیا کہ آرٹ کے ایسے نمونے اس بات کے یقین دلانے کا ذریعہ
ہو سکتے ہیں کہ زندگی بھر اس نے جو کچھ بھی کام کیا ہے اس میں اسے کامیابی حاصل
ہے۔ ان شکلوں کے ذریعہ وہ یہ بھی ظاہر کر سکتا تھا کہ جانوروں کا کھال بھرنا ایک
آرٹ بن سکتا ہے۔ مگر اس کا عقیدہ یہ تھا کہ ان شکلوں کو ان جانوروں کی کہانی
کرنا چاہئے جن سے کہ اسے محبت ہے

اس زمانہ میں اس کے ذہن میں سب سے زیادہ اہمیت ہاتھی کو حاصل تھی۔
اس نے اپنی اولین شکل کے لئے ایسی کہانی منتخب کی جس سے ان جانوروں کی
بھائی چارگی کا اظہار ہوتا تھا وہ اس وقت کو کبھی نہ بھول سکا جبکہ اس نے
بہت ہی بڑے نر ہاتھی کو اپنی دلی تمنا کے مطابق نشانہ لگایا تھا۔ مگر اس کا سر
طرح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے دو مرتبہ اس جگہ گولی لگائی جہاں کہ اس
کے خیال کے مطابق اس کا دل ہونا چاہئے تھا۔ اسے توقع تھی کہ ہاتھیوں کا بقیہ گروہ
اس کی طرف جھپٹے گا اس کے برخلاف وہ دوسری سمتوں میں بھاگ نکلے البتہ ایک چھوٹی

سی پہاڑی پر چڑھا تو اسے ایک عجیب و غریب منظر دکھائی دیا۔ اس کے ارد گرد دس
بارہ دوسرے ہاتھی کھڑے ہوئے تھے۔ جو پہاڑی ڈھلان لگا کر اسے اپنے قدموں پر کھڑا
کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اپنی اس کوشش سے وہ اس کے زبردست جسم کو
۲ گز تک کھینچ لے گئے مگر اسے کھڑا نہ کر سکے۔ ان کا سردار شاید مر چکا تھا۔

بعد میں ہاتھیوں کے ایک شکاری نے اینکلی کو بتایا کہ کانگو میں اس نے چار ہاتھیوں
کا ایک گروہ دیکھا تھا۔ اس نے ایک کو مار ڈالا اور دوسرے کو زخمی کر دیا۔ فوراً ہی دو
دونوں ہاتھیوں نے زخمی ہاتھی کی مدد کر کے اسے اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا اور دائیں بائیں
طرف سے پکڑے پکڑے جنگل میں چلے گئے۔

ان دونوں کہانیوں کی بنا پر ہی اینکلی نے اپنے آرٹ کا اولین اور مشہور ترین
نمونہ پیش کیا۔ اسمیں دو نر ہاتھیوں کو دکھایا گیا ہے جو درمیان میں اپنے ایک زخمی بھائی کو
لے جا رہے ہیں۔ میں نے اسے پہلی مرتبہ ایک ڈھلتی ہوئی سہ پہر کو دیکھا تھا جبکہ نیویارک
کی روشنیاں ایسی لگ رہی تھیں۔ جیسے کہ اندھیری رات میں تارے۔ یہ شکل اینکلی کے
کام کرنے کے کمرے میں ایک میز پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "ذرا دیکھئے۔ یہ رہی وہ شکل
اس کے بارے میں کیا خیال ہے"؟ مجھے یہ فن کا کامل نمونہ نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ میں نے یہی کہا
اس نے کہا "مگر تم خود آرٹ کے میدان میں نہیں ہو۔ ابھی تھوڑی دیر میں یہاں نمبر
آنے والا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ امریکہ میں جانوروں کی سب سے اچھی شکلیں بناتا ہے
پراکٹر مجھے بتلائے گا کہ حقیقتاً اس کے بارے میں اس کا کیا خیال ہے۔ یہ بہت زیادہ اہم
بات ہے"۔

پراکٹر آ پہنچا۔ جونہی وہ اس کے کام کرنے کے کمرے میں گیا اس کی نظر ہاتھیوں کی
شکل پر پڑی۔ اس نے ہم سے صرف ہیلو کہا اور بہت دیر تک اس شکل کے قریب کھڑا
اس کا مطالعہ کرتا رہا۔ آخر کار اس نے بڑی گہری آواز سے کہا "اینکلی یہ تو بڑی عجیب

ہے۔ کاش اسے میں نے بنایا ہوتا"

جب میں اس سے باتیں کی تھیں ایک شخص سمرسٹ ویٹ کو پہنچی گئی تھی۔ بیٹ نے ایک دن مجھ سے کہا تھا "ایک بڑے جانور کو اس طرح آرٹ کی شکل میں بدل کے اسے نفیس ترین انداز بخشا گیا ہے۔ یہ کام صرف انگلی ہی انجام دے سکتا تھا۔"

وہ کس قسم کا انسان تھا

انگلی عام قسم کی زندگی نہیں گزارتا تھا۔ جس میں کہ کام آرام اور خوشی شامل ہوں۔ وہ کھیل کے لئے کوئی وقت نہیں نکالتا تھا جیسے کہ اکثر لوگ کرتے ہیں۔ وہ مخصوص مسئلہ جس پر کسی وقت کام کر رہا ہوتا ایسا لگتا تھا کہ اس کے ذہن پر مکمل طور پر وہ ہی چھایا ہوا رہتا تھا۔ وہ اسے صرف تھوڑی سی دیر کے لئے بھول پاتا تھا۔ اس کے تمام دوستوں کو بھی انہی چیزوں سے دلچسپی تھی جن سے کہ اسے تھی۔ ان کی باتیں عجائب گھروں، سائنس، فطری تاریخ سے متعلق ہوا کرتی تھیں۔ وہ اور اس کی بیوی عجائب گھر کے قریب چند سادہ سے مگر پُر فضا کمروں میں رہا کرتے تھے۔

دوسرے کھوج لگانے والوں کی طرح اس کو بھی اپنی مہمات کے لئے رقم ان لوگوں سے تحفے، تحائف کی شکل میں قبول کرنی پڑتی تھی جنہیں کہ اس کے کام سے دلچسپی تھی۔ عام طور پر عجائب گھروں کے پاس اتنی رقم نہیں ہوتی ہے کہ وہ کسی کھوج لگانے والے کو اپنی مہم پر روانہ کر سکیں اور وہاں جا کر وہ اپنے کام کے علاوہ اور کچھ نہ کریں۔ چھوٹے چھوٹے سفروں کے لئے تو یہ بات بھی ہو سکتی ہے۔ مگر بڑے سفروں کے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ کھوج لگانے والے اپنی ضرورت کی رقم خود ہی حاصل کرنی پڑتی ہے۔ عجائب گھر صرف تھوڑی سی امداد دے دیتا ہے۔ کچھ مزدور دے دئے یا شاید تھوڑی سی رقم بھی۔ مگر یہ بھی صرف اس حد تک جس حد تک کہ اس کے لئے ممکن ہے۔ ہم کے

سلسلے میں رقم فراہم کرنے کے علاوہ اور جتنی بھی بڑی سے بڑی مصروفیتیں ہوتی ہیں وہ مہم جو کے نزدیک خاصتاً لطف کا باعث ہوتی ہیں اور اسی بنا پر مہم کا سرانجام دینا ممکن بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دوسرے کھوج لگانے والے کی طرح اینگلی کو بھی بہت سے کام کرنے پڑے۔ مثلاً اسے رات کے کھانے کی ایسی دعوتوں میں شریک ہونا پڑا جن میں شرکت کرنا وہ نہیں چاہتا تھا اور اجنبیوں کے درمیان دلچسپی کا مرکز بنا پڑا اپنے سفروں کے لئے رقم حاصل کرنی پڑی۔

اینگلی کی ملاقات بہت سے لوگوں تھی۔ ان میں بہت سے لوگ عالمی شہرت کے مالک بھی تھے۔ چھوٹا آدمی ہو یا کوئی اہم ہستی ہو وہ سب سے ایک ہی انداز میں ملتا تھا۔ مٹی کے دھبے لگے ہوئے کام کرنے کے کپڑے پہنے ہوئے، کھلی ہوئی قمیص، کوٹ ندارد اور ہمیشہ سگریٹ پیتے ہوئے۔

جب کارل کسی مشن کے سلسلے میں مصروف ہوتا تھا تو اس کا دماغ روزمرہ کی دنیا سے بہت دور ہوتا تھا۔ مگر وہ ہمیشہ دوسروں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا اور نرم مزاجی اس سے کبھی بھی رخصت نہیں ہوتی تھی جس نے کہ لوگوں کو اس کا شیدائی بنا دیا تھا۔

ایکلی روپے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تھا سوائے اس بنا پر کہ اس کی بدولت وہ اپنا کام کر سکتا تھا۔ وہ مجمع عام میں تقریر کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ مگر اسے اپنی بہت سی تقریریں کرنی پڑیں۔ کیونکہ لوگ اس کی مہمات کے لئے اسے روپیہ دیتے تھے۔ اس کی تقریریں اسی کی طرح سادہ اور خوشگوار ہوتی تھیں۔ وہ لوگوں کے سامنے چلا جاتا تھا اور انہیں اپنی عجیب اور دلچسپ زندگی کی کہانیاں بالکل اس طرح سناتا تھا جیسے کہ وہ اپنے گھر پر یا اپنے کام کرنے کے کمرے میں اپنے چند دوستوں سے باتیں کر رہا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے سامعین کو اس کی تقریروں سے عشق سا تھا۔

ایکلی کی زندگی کا ایک اور اہم حصہ اس کی تصویر کشی سے دلچسپی تھی۔ یعنی کیمرے سے تصویریں کھینچنا۔ یہ اس کام کے لئے ضروری تھا۔ اس کے علاوہ اس کے ذریعے اتنے جانوروں کا ریکارڈ رکھنے میں بھی مدد ملے گی کیونکہ ان میں سے بہت سے پہلے معدوم ہوتے جارہے تھے۔

جبکہ وہ امریکی عجائب گھر کے گروہ کی خاطر ایک بڑے نر ہاتھی کی تلاش ۔۔۔ا۔ اس نے ایک ایسی تصویر لی جو اب تک اپنی نوعیت کی ایک ہی ہے۔ یہ ایک ہاتھی کی تصویر ہے جو کہ غصے سے دیوانہ ہو کر کیمرے کی طرف جھپٹ رہا تھا۔ یہ ۔۔۔ بہت ہی قریب کے مقام سے لی گئی ہے۔ یہ بات اس طرح پیش آئی تھی جبکہ ۔۔۔یمرہ استعمال کر رہا تھا۔ جم کلارک اس کے ساتھ بندوق بالکل رکھے کھڑا ہوا ۔۔۔ انہیں تین مادائیں اور ایک بچہ نظر آیا۔ جب ایکلی اپنا کیمرہ تیار کر رہا تھا۔ ایک ۔۔۔ کی ان پر نظر پڑ گئی۔ وہ ان کی طرف انتہائی تیزی کے ساتھ جھپٹی۔ جم نے فیصلہ ۔۔۔ تھا کہ وہ اس وقت تک انتظار کرتا رہے گا۔ جب تک کہ وہ کیمرے کے چالو ہو۔۔۔ کی آواز نہ سن لے۔ مگر اس کے لئے یہ سخت مشکل ہو رہا تھا کہ وہ بندوق نہ چلائے ۔۔۔ سیدھی ان کی طرف آ رہی تھی کان پھیلائے ہوئے وہ لمحہ بہ لمحہ بڑی سی بڑی نظر ۔۔۔ رہی تھی۔ جب اس کی صورت کیمرے کے منظر گیر میں سما گئی تو ایکلی نے اس کی تصویر لے لی۔ اور کلارک نے فوراً گولی چلا دی۔ اس سے ہتھنی مڑ تو گئی مگر اس کے ۔۔۔ کیا نہیں۔ ڈرانے سے روکنے کے لئے اسے دو گولیاں اور چلانا پڑیں۔ ایکلی تصویر کے ۔۔۔ اس قدر مصروف تھا کہ اس نے یہ تک محسوس نہ کیا کہ وہ کیسی مصیبت میں پھنسے ۔۔۔ تھے۔

۔۔۔ببر کا شکار

کیمرے وہ جو خصوصاً متحرک تصویریں لینے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں ایکلی کی نظر میں کبھی کبھی

اتنے اچھے تو نہیں پائے کہ اسے پسند آسکتے۔ خاص طور پر اسے اس گھٹیا درجے کی ت
تصویر کا بڑا افسوس تھا جو کہ شیر ببر کے ایک زبردست شکار کے موقع پر ل
گئی تھی۔

اس نے شکار کے لئے سو تندی شکاریوں کو جمع کیا تھا۔ پہلی بیج کو ہی انہو
ایک جانور گھنے جنگلوں کے درمیان جاتا ہوا دکھائی دیا۔ ایگلی نے اس امید کے
اپنا کیمرہ تیار کیا کہ جب اس شیر ببر کی طرف بھالے مارے جائیں گے تو اسے مجبور
کھلے میدان میں آنا پڑے گا اور وہ اس کی تصویر لے لے گا۔ مگر اس کا منصوبہ کامیاب
نہ ہو سکا۔

بھالا برداروں نے اس جانور کو گھیرے میں لے لیا۔ اور وہ اس کی جانب
بڑھے۔ مگر شیر ببر کی آواز کے بجائے ایک غضب ناک چیتے کی آواز ان کے شور و غ
میں سے ابھرتی ہوئی سنائی دی۔ اس کے بعد ایک خوفناک نظارہ شروع ہ
ہوا تھا۔

چند سیکنڈ بعد دو شکاری تیسرے شخص کو اٹھائے ہوئے اس گھنی نباتات میں سے
باہر نکلے۔ اس کے سر پر سے خون میں لتھڑی ہوئی کھال اور بال اس کے چہرے پر
آگئے تھے اور اس کا کندھا بیس جگہ سے پھاڑ ڈالا گیا تھا۔ ان کے پیچھے تندیوں کا ایک
گروہ مردہ چیتے کو اٹھائے ہوئے نکلا۔ اس کی جلد پر بھالوں کے ساتھ سوراخ تھے۔

ایگلی اس زخمی شکاری کو ایک درخت کے سائے میں لے گیا اور وہاں اس ک
سر کی مرہم پٹی کی۔ اس شخص نے اس کے سوا اور کچھ نہ پوچھا کہ وہاں کیا ہو رہا تھا۔
صبح اس کی خواہش ہوتی کہ اسے گھر نہ بھیجا جائے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اسے ا
تکلیف سے کوئی پریشانی نہیں ہے اور وہ دوسروں کے ساتھ اپنا کام جاری ر
جانتا ہے۔

چند دن بعد اس جماعت نے کئی ببروں کو گھنی جھاڑیوں میں گھستے ہوئے دیکھا۔ بھالا برداروں نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ ببروں نے بچ نکلنے کی کوشش کی مگر وہ کسی طرف بھی دو دو سے ایک نہ ایک شخص کو دکران کے سامنے آگیا۔ ہاتھ میں صرف بھالا لیئے ہوئے بپھرے ہوئے غضب ناک ببر کا مقابلہ کرنا بڑی ہمت کی بات ہے مگر کسی نندی سے خوف کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ تین ببروں کی موت کے ساتھ یہ جنگ اختتام کو پہنچ گئی مگر کوئی تصویر نہ لی جا سکی۔ کیمرہ اس قدر بڑا اور بھاری تھا کہ ہر حرکت کی تصویر لینے کے لئے اسے جلدی جلدی ادھر ادھر نہیں کیا جا سکتا تھا۔

آخر کار اینکلی ایک تصویر لے سکا۔ یہ کوئی بہت اچھی تصویر نہیں تھی۔ یہ تھی اکیلے بھالا بردار اور ببر شیرنی کے درمیان ایک خوفناک جنگ کی۔ شکاری اس جانور پر جھپٹ پڑا تھا۔ اور وہ دونوں جسمانی طور پر ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ جب دوسرے لوگ پہنچے۔ تو وہ نندی اس کی کمر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کی ٹانگ صرف ایک طرف سے جڑی تھی۔ شیرنی اس کے قریب ہی مری ہوئی پڑی تھی۔

شکار کے خاتمہ پر اینکلی کو جو تجربہ ہوا تھا اس کی بنا پر اس نے یہ طے کر لیا کہ اب وہ اچھے سے بہتر کیمرے کے بغیر افریقہ واپس نہیں لوٹے گا۔ بھالا برداروں نے ایک ببر کو ایک پہاڑی کی چوٹی پر کھلی ہوئی جگہ میں ہانک لائے تھے۔ وہاں کھلی ہوئی دھوپ تھی۔ اور تصویر لینے کے لئے صورت حال انتہائی موزوں تھی۔ مگر ان لوگوں کو بڑی جلدی ہو رہی تھی اور ایک کیمرہ تیار کرنے سے پہلے ہی انہوں نے اس شیر کو بھالوں سے مار ڈالا تھا۔ اینکلی نے محسوس کیا کہ اس قسم کی ناکامی بہت ہی دل شکن ہے اس نے اپنے دل میں عہد کیا کہ یہ بات پھر کبھی واقع نہ ہوگی۔ وہ ایسا کیمرہ بنانے میں لگ گیا جسے تصویریں تیار کرنے میں زیادہ کوئی وقت نہ ہو۔

اینکلی نے منصوبہ تیار کیا اور اس نے خود متحرک تصویریں اتارنے والا کیمرہ تیار کر لیا

گویا دنیا میں ایک کیمرہ تھا ہی نہیں ۔ جو اس کے حسبِ منشا نتائج مہیا کر سکتا ۔ ب
پہنچنے سے پہلے ہی اس کا منصوبہ اس کے ذہن میں بالکل واضح [illegible] صورت اختیار
دوسرے تمام کیمرے مربع ہوتے تھے ۔ اس کا کیمرہ گول ہوگا ۔ اس طرح وزن اور
میں کچھ کمی ہو جائے گی ۔ کیمرہ ایسا ہونا چاہیئے کہ اسے اوپر نیچے اور ایک جانب سے
بائیں کیا جا سکے اور آسانی کے ساتھ کسی بھی سمت میں اس کا رخ موڑا جا
جس قدر بھی زیادہ سے زیادہ روشنی ممکن ہو اس کی کھلی ہوئی جگہ میں داخل ہو
کیونکہ جنگل میں تصویریں لینے کے لئے یہ چیز سب سے زیادہ ضروری ہے ۔ یہ ایسا
چاہیئے کہ بہت دور کی چیزوں کی تصویر لینے کے لئے اسے بہت ہی جلد ہی تیار
جائے اس کے اہم ترین مطالبات یہی تھے ۔

ایکلی کا کیمرہ

امریکی عجائب گھر میں واپس پہنچنے کے بعد ایکلی کی س
بڑی ضرورت یہ تھی کہ اسے کوئی ایسا آدمی مل جائے
بنانے کا سامان خریدنے میں اس کی مدد کر دے ۔ میں نے اسے اپنے ایک نوجو
ٹیڈ سلوکم سے ملاقات کرنے میں مدد دی ۔ اس نے کالج کی تعلیم سے فراغت
ہی تھی اور اسے کوئی تجربہ نہیں تھا ۔ مگر اس کے پاس روپیہ بہت تھا ۔ اسے ا
خیال پسند آگیا اور اس نے طے کر لیا کہ وہ اسے کیمرہ بنانے کے لئے روپیہ ادا کر
میں نے اس سے کہا تھا کہ ایکلی کے ساتھ کام کر کے اسے بڑا قیمتی تجربہ حاصل ہوگا
اسے یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ ایکلی اسی وقت دم لے گا جب کہ وہ ایک کامل
تیار کرے گا ۔

ایکلی کو عجائب گھر کے قریب ایک کافی بڑا کمرہ کار مل گیا ۔ اسمیں مشینیں [illegible]
گئیں ۔ اس نے جمی کلارک سے کہا کہ وہ بھی اس کے ساتھ کام کرے ۔ انہوں نے
کیمرہ بنانے کا منصوبہ تیار کیا جو فروخت ہونے والے تمام کیمروں سے بہتر ہو

اس کی تیاری کے دوران ہی ایکلی کے ذہن میں بہت سی ایسی تدبیریں آئیں جن کی مدد سے یہ اور بھی بہتر بن سکتا تھا۔ اس نے تیاری کا کام فوراً بند کر دیا۔ اس نے اس سے بالکل مختلف اور بہتر مشین بنانے کا منصوبہ تیار کیا گیا اور اسے بنانے کا کام بھی شروع کر دیا۔ مگر اس کے ذہن میں ایسی مشین کے خیالات آنے لگے جو اس سے بھی بہتر ہوگی۔ چنانچہ تیاری کا کام اس دوسری مرتبہ بھی بند کر دیا گیا۔

یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا۔ کمال حاصل کرنے سے عشق ہونے کی بناء پر وہ ایسا کیمرہ فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا جو مکمل طور پر اسے پسند نہ آیا ہو۔

ٹیڈسلوکم مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ وہ کام کے لئے ہزاروں ڈالر دے لگا چکا تھا اور نتیجہ یہ نکلا تھا کہ یہ سب پانی میں بہہ گئے تھے۔ اسے کیمرہ کی قدر و قیمت پر پھر بھی اعتماد تھا اور پھر وہ ایکلی کو بھی بہت پسند کرتا تھا۔ مگر اسے روپیہ کی ادائیگی رکنی پڑ گئی۔ ایکلی کو کام بند ہو جانے کا سامنا اس وقت کرنا پڑا جبکہ کامل کیمرہ کی تیاری بالکل نظر آنے لگی تھی۔ مگر اس وقت تاجروں کے ایک گروہ نے مل کر اس کیمرہ کی تیاری کے لئے ایک کمپنی بنا ڈالی۔

ایکلی کو دو سال کی سخت محنت کے عوض بہت تھوڑی رقم ملی۔ مگر اسے یہ خوشی تھی کہ اس کا کام عمدگی کے ساتھ انجام پا گیا تھا۔ اب وہ افریقہ جا سکتا تھا اور عمدہ تصویریں اتار سکتا تھا اس کے نزدیک یہ معاوضہ کافی تھا۔ ایکلی کا کیمرہ بہت جلد ساری دنیا میں استعمال ہونے لگا۔ کئی سال تک جہاں کہیں بھی تیز حرکت و عمل کی تصویر اتارنی ہوتی تھی ایکلی کا کیمرہ ہی بہتر تصور کیا جاتا رہا۔

افریقی ہال کا خواب حقیقت کا جامہ پہن لیتا ہے

پہلی عالمی جنگ کے دوران ایکلی اپنے ملک کی خدمت انجام دیتا رہا اور عجائب گھر کے کام کو اس کا انتظار کرنا پڑا۔ مگر لڑائی ہوتے ہی اس کے ذہن میں اپنے خواب پھر تازہ ہو گئے

فطری تاریخ کے امریکی عجائب گھر کے لئے ایک عظیم افریقی ہال تیار کرنے کے بارے میں وہ پہلے ہی سوچ چکا تھا۔ اب ہال جس میں صرف افریقہ کے جانور ہی امریکہ میں لائے جائیں گے بلکہ افریقہ کے حقیقی علاقے بھی۔

اس نے لکھا ہے کہ " افریقی ہال جنگل کے امن و امان کی کہانی بیان کرے گا۔ افریقہ کے بارے میں جو کچھ اسے معلوم ہے یہ ہال ان جانوروں کی بالکل سچی کہانی بیان کرے گا۔ جنگلوں اور بیابانوں کے بارے میں بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں جو عجیب اور غلط خیالات بیٹھے ہوئے ہیں یہ انہیں بدل کر رکھ دے گا۔

یہ خیال ایکلی کی زندگی کی اہم ترین چیز بن گیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے امریکی عجائب گھر کے ڈائرکٹروں کو اس خیال سے ۱۹۱۰ء میں آگاہ کیا تھا۔ انہوں نے فوراً اس سے اتفاق کر لیا تھا اور ہاتھیوں کے گروہ پر کام شروع کر دیا گیا تھا۔ بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اس منصوبے کو بھی پہلی عالمی جنگ کے خاتمہ تک انتظار کرنا پڑا۔ مگر ۱۹۲۰ء میں اسمیں دوبارہ جان پڑ چکی تھی اور ایکلی نے افریقہ میں سامان اکٹھا کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔

گوریلا کا نمبر اس کی فہرست میں سب سے اوّل تھا۔ انسان سے مشابہت رکھنے والے یہ بڑے بڑے جانور دنیا کے ان بڑے جانوروں میں شامل تھے جن کے بارے میں ان لوگوں کو سب سے کم معلومات حاصل تھیں۔ گوریلاؤں کے بارے میں بیشتر خیالات

ایک فرانسیسی پال ڈی چائلو سے حاصل ہوئے تھے۔ ۱۸۵۵ء میں وہ پہلا سفید فام انسان تھا۔ جس نے گوریلا کو مارا تھا۔ اس نے اس جانور کی تصویر اس طرح پیش کی تھی ایک بڑے ڈیل ڈول والا اور طاقت ور بازو والا جانور جس کی گہری اور بھوری آنکھیں بڑی غضب ناک ہوتی ہیں۔ اس کے چہرے پر ڈراؤنے خواب کا سا وحشت خیز تاثر ہوتا ہے اور اس کی چیخ ایک عجیب اور نیم انسانی قسم کی ہوتی ہے۔" اس نے کہا تھا" جنگل کے یہ وحشی انسان عورتوں کو پکڑ کر جنگلوں میں لے جاتے ہیں۔

ایک اور فرانسیسی فرے میٹ نے اس خیال سے متاثر ہو کر ایک بڑے سائز زندہ گوریلا کی جسامت کی تصویر بنائی تھی۔ جو ایک نوجوان لڑکی کو اپنی بغل میں دبائے ہوئے لے جا رہا تھا۔ اس جانور کے چہرے پر ایک وحشیانہ تاثر جاگزیں تھا۔ ایک معقول شخص نے جس کا نام میں بھول گیا ہوں یہ تصویر فطری تاریخ کے امریکی عجائب گھر کو دی تھی۔ بیشک اس کا وہاں نظارہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور کئی سال تک اسے عوام کی نگاہوں سے کافی دور رکھا گیا۔ جب کبھی ایکلی اسے دیکھتا اسے غصہ آجاتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ کوئی شخص اپنے آرٹ کے ذریعہ کسی چیز کو اس انداز سے پیش کرنے کی کوشش کیوں کرے جو کہ درست نہیں ہے۔ یہ ساری چیز مضحکہ خیز ہے۔

حالانکہ ایکلی نے جنگلی گوریلا کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے باوجود اسے یقین تھا کہ ان کی غصہ وری کے بارے میں بیشتر کہانیاں غلط تھیں۔ اسے دوسرے جنگلی جانوروں کا طویل تجربہ تھا اس کی بنا پر اسے یقین تھا کہ گوریلا کو وہ انتہائی شریف اور نیک طبیعت جانور پائے گا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر یہ انسان سے لڑتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ انسان اسے نقصان پہنچانے جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں شاید یہ آخر تک اپنی پوری قوت اور طاقت سے لڑتا رہے گا۔ چنانچہ وہ گوریلاؤں کو پسند کرنے کے لئے تیار تھا۔ یہ بات مکمل طور پر قابل فہم تھی کیونکہ

اس نے بیشتر جانوروں کو دوست کی نظر سے دیکھا تھا۔

ایکلی افریقی ہال کے لئے صرف گوریلا ہی نہیں چاہتا تھا بلکہ زندہ جانور کی متحرک تصویریں بھی چاہتا تھا۔ پہلی مرتبہ وہ اس "ایکلی کیمرہ" کو استعمال کرے گا جس پر کہ اس نے اتنے عرصے تک سخت محنت کی تھی۔ گوریلاؤں کی اس وقت تک کسی بھی قسم کی کوئی تصویر نہیں لی گئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اس نے کسی بھی مہم کا اس قدر خوشی کے ساتھ انتظار نہیں کیا تھا۔

گوریلاؤں کیلئے افریقہ جانا

حالانکہ اس کے حوصلے اس قدر بلند تھے۔ پھر بھی اس کے بہت سے دوستوں کو اس کی صحت کی جانب سے بڑی تشویش تھی۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ساری عمر ایکلی انتھک محنت کرتا رہا تھا مجھے یقین نہیں آتا کہ ایک دن بھی اس نے کھیل کود میں اور اپنے جسم اور دماغ کو آرام پہنچانے میں گزارا ہو۔

ہمارے شکوک و شبہات پر ایکلی نے کان بھی نہ دھرا۔ اور ۱۹۲۱ء میں بلجیم، کانگو کے جھیل کیوو والے علاقے میں چل دیا۔ اس نے کوہ میکینو کے ڈھلانوں میں گوریلاؤں کی جستجو شروع کر دی۔ اسے کیچڑ کے ایک سوراخ کے قریب کسی گوریلا کے ہاتھوں کے چار بڑے بڑے نشانات نظر آئے تو اسے بڑی خوشی ہوئی۔

اس کے دو دن بعد اسے پہلی بار گوریلا دکھائی دیئے۔ اس کی جماعت کو پہاڑ پر چڑھنے میں بڑا دشوار گزار سفر اختیار کرنا پڑا تھا۔ راستہ ایسے گھنے جنگل میں سے ہو کر جاتا تھا کہ رہنماؤں کو شاخیں کاٹ کاٹ کر راستہ بنانا پڑا تھا۔

یکایک ایک رہنما کو پہاڑ کے ڈھلان کے رخ پر ایک لمبی اور گہری وادی کے اس پار ایک آواز سنائی دی۔ اس نے متحرک چیز کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں پر گوریلا تھا۔

سیر اس قدر دور تھے کہ نشانہ لگانا ممکن نہ تھا۔ اس کے قریب پہونچنے کے لئے ایکلی رہنماؤں کو اونچی اونچی چٹانوں پہ ہو کر کبھی نیچے اترنا اور کبھی اوپر چڑھنا پڑا۔ وہ دوسرے رخ کے ساتھ ساتھ اوپر کی جانب چوٹی کے نیچے بڑھتے جا رہے تھے۔ انہیں یکایک اپنے سامنے اوپر کی جانب ایک شور سا سنائی دیا۔ ۵۰ گز تک وہ بڑی احتیاط کے ساتھ آگے چلتے رہے۔ اس کے بعد ان میں سے ایک آدمی نے رک کر اپنے اوپر گھنے درختوں میں جھانک کر دیکھا۔

ایکلی اس عمودی چٹان کے بالکل سرے پر کھڑا ہوا تھا اس کے اور نیچے کی چٹانوں کے درمیان صرف ایک چار انچ کی موٹائی والا درخت تھا۔ آواز دو بار آئی۔ اس کے بعد وحشیانہ جھپٹنے کی آواز بلند ہوئی۔ شروع میں تو ایکلی کو سوائے درختوں کے ہلنے جلنے کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اسے گوریلا کا سر دکھائی دیا۔ گوریلا کی غضب ناک چیخ بندوق کی آواز میں گم ہو گئی۔

کارل نے کہا تھا کہ اسے یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ فیر کیا ہوا تھا۔ ایک چاندی کی سی رنگت کا بھاری جسم اوپر سے صرف چند انچ کے فاصلے پر آ کر گرا۔ اور اس اونچی ڈھلوان چٹان کے سرے پر جو چھوٹا سا درخت اگا ہوا تھا اس کے سہارے سے رک گیا۔ اس طرح اس اکیلے چھوٹے سے درخت نے ایکلی کے اولین گوریلا کو نیچے گر جانے سے بچا لیا اگر اس نے گوریلا کے اس بھاری جسم کو نہ روکا ہوتا تو گہری کھائی میں جا گرا ہوتا۔ اور وہ اسے وہاں سے نکال بھی نہیں سکتے تھے۔

گوریلا کی کھال اتارنا ایکلی کے لئے بڑا وقت طلب ثابت ہوا۔ اگلے دن وہ اپنے کیمپ میں صبح سے شام تک اس کی کھال تیار کرنے اور ہاتھوں پاؤں اور چہرے کی حقیقی شکل تیار کرنے میں لگا رہا۔ وہ خون کی ایک بیماری میں مبتلا تھا اور اسے آرام کرنا چاہیے تھا۔ پہاڑ کے ایسے ڈھلانوں پر جیسے جگہ جگہ سے گہری گھاٹیوں اور سوراخوں نے

کاٹ رکھا تھا۔ گوریلاؤں کو تلاش کرنا اس قدر مشکل کام تھا کر اس نے اس کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی مگر جونہی وہ کھال تیار ہو گئی وہ پھر باہر نکل کھڑا ہوا۔ تو وہاں اسے ایک اور زبردست تجربہ پیش آیا۔

جہاں کہیں بھی انہیں گوریلاؤں کے گروہ کے نشانات ملے وہ بڑی بڑی دشوار گزار پہاڑیوں پر چڑھتے اترتے اور گھنے جنگلوں میں شاخیں کاٹ کاٹ کر اپنا راستہ بناتے ہوئے چلتے رہے۔ وہ نشانات ایک اونچی پہاڑی کے ڈھلان کے سہارے سہارے جا رہے تھے۔ اگر یہ بڑے بڑے جانور بہت آہستہ آہستہ نہ چل رہے ہوتے۔ کیونکہ چلنے کے دوران یہ کھاتے پیتے بھی جا رہے تھے تو یہ شکاری انہیں ہرگز تلاش نہ کر پاتے درختوں کے ملنے جلنے کی بنا پر گوریلا بہت جلد دکھائی دے گئے۔ ۱۵۰ گز کے فاصلے سے ایکلی نے اپنی بڑی سی بندوق سے ایک چاندی جیسی پیٹھ والے نر کے جلدی سے گولی لگانی چاہی۔ مگر نشانہ خطا کر گیا۔ اس کے باوجود گوریلاؤں نے بھاگنے میں جلدی نہیں کی۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ بھاگ ہی نہ سکے ان کی ٹانگیں چھوٹی اور کمزور ہوتی ہیں۔ حالانکہ ان کے جسم اس قدر مضبوط اور بھاری ہوتے ہیں اور عموماً انہیں تیز چلنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔ کیونکہ وہ نباتات کھاتے ہیں اور انہیں دشمنوں سے بچنے کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی جنگل کا کوئی بھی جانور گوریلا سے لڑنا نہیں چاہتا۔ اگر شیر ببر بھی اس کے زبردست بازوؤں کی گرفت میں آ جائے تو اس کے زندہ بچ نکلنے کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔

جب یہ لوگ اس گروہ کے نزدیک پہنچے تو اس مرتبہ بھی وہ ایک اونچی پہاڑی کے ڈھلان پر کھڑے ہوئے تھے۔ اور ان کے نیچے دو سو فٹ گہری کھائی تھی۔ ایکلی ایک چھوٹے سے درخت کا سہارا لے کر نشانہ لگانے کے لئے بالکل تیار کھڑا ہو گیا۔ ایک بوڑھی سیاہ مادہ اسے بالکل اپنے اوپر کی جانب نظر آئی۔ جب اس نے نشانہ لگایا تو وہ سیدھی اسی کی جانب آکر گری۔ اس نے اس کے راستے سے بچنے کی کوشش کی مگر بیچ

نہ سکا۔ اور منہ کے بل دھڑام سے زمین پر جا گرا۔ مری ہوئی مادہ گوریلا، یدھی اس کے اوپر سے گزر گئی۔ مگر اس کے بھاری جسم کا پورا وزن اس پر آ کر نہیں پڑا۔ اور اس کے صرف معمولی سی چوٹ آئی۔ اس سے پہلے کہ ایکلی اٹھتا گوریلاؤں کا ایک طوفان اس کی طرف امنڈ پڑا۔

کالے کالے بالوں کے چیختے چلّاتے بڑے بڑے گوریلے اس کے اوپر سے لڑھکتے ہوئے گزر گئے۔ جب تک کہ وہ اٹھے اور اپنی بندوق تیار کرے گوریلے جا چکے تھے۔

ایکلی کا خیال تھا کہ ان کا یہ جھپٹنا شیر ببر یا ہاتھی کی طرح سوچے سمجھے منصوبہ کا نتیجہ نہیں تھا۔ کیونکہ مادہ جس وقت گری تھی مر چکی تھی۔ اس کی رائے یہ تھی کہ دوسرے بغیر یہ اندازہ لگائے کہ وہ مر چکی تھی اندھا دھند اس کے پیچھے بھاگ لئے تھے۔ اگر انہوں نے اس سے لڑنے کا منصوبہ بنایا ہوتا تو وہ بڑی آسانی کے ساتھ اسے اس چٹان سے نیچے پھینک سکتے تھے۔ اس موقع پر گوریلاؤں نے جو رویہ اختیار کیا تھا اس سے اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ انسان کو دیکھتے ہی اس سے لڑنے کے لئے آمادہ نہیں ہو جائیں گے۔

رہنماؤں نے کہا کہ اس گھاٹی کی تہ میں اتر کر اس مری ہوئی مادہ گوریلا تک پہنچنا ناممکن ہے۔ وہ یہاں پر ہمت ہار کر خاموش کھڑے رہے۔ وہ نیچے پہونچنے کے دشوار گزار سفر کی کوشش کرنے تک کے لئے تیار نہیں تھے۔ بہر حال ایکلی اس خیال کو برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے اس عجیب و غریب جانور کی طرف اس لئے مارا تھا کہ اسے ایک تاریک گڑھے کی تہ میں چھوڑ کر چلا جائے۔ چھوٹے چھوٹے درختوں اور پودوں کو پکڑ پکڑ کر وہ بڑی احتیاط کے ساتھ ایک عمودی کی چٹان کے نیچے کی جانب اترنے لگا۔ آخر کار وہ اس کی تہ میں پہنچ گیا۔ پھر اسے ایک اور عمودی چٹان پر چڑھ کر اس چٹان پر جانا پڑا جہاں کہ مادہ مری ہوئی پڑی تھی۔ دوسرے لوگ بھی اس کے پیچھے چلے گئے۔

گوریلاؤں کی تصویریں

اس بڑی گوریلا کی کھال اتارنا سخت محنت کا کام ... ایک وقت میں اس چٹان پر صرف دو آدمی ہی کام کر سکتے تھے۔ اور وہ نیچے کی وادی میں بڑی آسانی کے ساتھ گر سکتے تھے۔

جب یہ کام ختم ہو گیا تو ان کے سامنے یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ اب باہر کس طرح جائے۔ ایکلی نے کہا کہ افریقی لوگ جب اس کی بھاری کھال لے کر تقریباً عمودی چٹان پر اب راستہ بناتے ہوئے چڑھ رہے تھے۔ تو وہ بڑے عجیب و غریب انسان نظر آتے تھے بعض اوقات اس نے سوچا کہ شاید کوئی بھی ان میں سے کیمپ تک نہ پہنچ سکے گا۔ اس نے کہا تھا کہ یہ اس کی زندگی کا مشکل ترین دن تھا۔ اور ساری دنیا کے عجائب گھروں ... گوریلاؤں کی خاطر بھی اب وہ دوبارہ یہ کام کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ اس نے یہی کہا ... خود مجھے اس بات پر یقین نہیں ہے۔

اب اس کے کیمپ میں تین شاندار گوریلا تھے۔ بوڑھا نر، ایک مادہ اور ایک ... ایکلی بیمار تھا اور افریقی اس کام کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ یہ کام ان لوگوں کے لئے بے انتہا سخت تھا۔ بہرحال وہ اس کے ساتھ رکنے پر راضی ہو گئے کیونکہ اپنے اس منصوبہ کو ... کامیاب قرار دینے سے پہلے اسے ایک کام اور کرنا تھا یعنی گوریلاؤں کی متحرک تصویریں!

اس نے رہنماؤں سے کہہ دیا تھا کہ اب وہ اسے ایسے جان لیوا مقامات پر نہ لے جائیں جہاں چٹانوں کی سیدھی سیدھی دیواریں اور گہری گہری گھاٹیاں ہوں۔ ایسی جگہوں پر متحرک تصویریں اتارنے والا کوئی بھی کیمرہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ اور وہ خود بھی اس قدر بیمار تھا کہ اس قسم کے علاقے سے نبرد آزما ہونے کے قابل نہیں رہا تھا۔ رہنماؤں نے ... کیا کہ وہ اسے نسبتاً آسان جگہ لے جائیں گے۔ چنانچہ وہ اسے کوہ مکینو اور کوہ کاری سمبی کے درمیان کی سطح مرتفع پر لے گئے۔ تاہم یہ سفر بھی بڑا سخت تھا۔ جب انہیں گوریلا کا ایک گروہ نظر آیا تو اس وقت تک ایکلی کی قوت تقریباً جواب دے چکی تھی۔ مگر ...

بچاس گز کے فاصلے پر اسے ایک کالا سا گوریلا درخت کی ایک شاخ پر ٹہل کرتا ہوا دکھائی دیا اس کے تھوڑی دیر بعد ہی اس سے بڑا گوریلا اسی شاخ پر ٹہل کر آیا۔ یہ مادہ تھی اور اس کے ساتھ دو سال کا بچہ تھا۔ ایکلی کو اس بات کا احساس بھی بعد کو ہوا کہ وہ گوریلاؤں کی اولین متحرک تصویر لے رہا ہے۔

میں نے اس تصویر کو بار بار دیکھا ہے۔ اسمیں ماں اور بچے کا بھرپور منظر خوبصورت ہرے بھرے درختوں کے درمیان صاف نظر آتا ہے۔ ایک لمحہ کے بعد ایک اور بچہ دوڑ کر قریب کے درخت پر چڑھ جاتا ہے۔ یہ تینوں ایکلی کی جانب بڑی تیزی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ وہ قطعی خوفزدہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد ایسا نظر آتا ہے جیسے ماں کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ وہ ایک بازو کا سہارا لے کر اس طرح لیٹ جاتی ہے جیسے سونے کی تیاری کر رہی ہو۔ ایک بچہ کھڑا ہو جاتا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے کہ وہ زور کا قہقہہ لگا رہا ہو گوریلا ہشاش بشاش خاندان کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ اور دونوں بچوں کے ساتھ ماں کا رویہ بالکل ایسا ہی نظر آتا ہے جیسے کہ ایک عورت کا یقیناً اس بات کی کوئی علامت نظر نہیں آتی کہ گوریلا ایک غصہ ور جانور ہوتا ہے اس لئے انسان کو دیکھتے ہی اس پر جھپٹ پڑے گا اور اسے چیر کر پھینک دینے ہی بڑی خوشی محسوس کرے گا۔

جس مقام سے تصویر لی گئی تھی وہاں سے کوہ میکینو گہرے نیلے آسمان کے مقابل کھڑا ہوا نظر آتا تھا۔ اونچی اونچی عمودی چٹانیں نرم نرم ہرے بھرے اور بھورے پودوں سے ڈھکی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس سے آگے آنکھیں عجیب وغریب رنگوں سے بھرے ہوئے مناظر کی سیر سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ ان میں بہت دور کے اونچے اونچے پہاڑ بھی بہت ہی دھندلے دھندلے نظر آرہے ہیں۔ جن میں چمکتی ہوئی جھیلیں اور گھنے جنگل بھی ہیں۔

کارل نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ ازیلی ہال کے گروہ کے لئے یہ انتہائی

مکمل منظر ثابت ہوگا۔ اور کوئی نقاش اس کی تصویر اتارنا چاہے تو اسے نیویارک سے طویل سفر طے کرنا پڑے گا۔ مگر یہ تصویر اس کا بہت ہی معقول معاوضہ ثابت ہوگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ایکلی کی روح فطرت کے حسن میں سرایت کر جاتی تھی اگر اسے اسے پتہ چل جاتا کہ یہ اس کے آرام کرنے کی آخری جگہ ثابت ہوگی تو اسے بڑی خوشی محسوس ہوتی۔

ایکلی نے بڑی شدت کے ساتھ یہ محسوس کیا تھا کہ گوریلاؤں کے بارے میں کافی معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہیں۔ اور جب وہ کوہ مکینو سے روانہ ہو رہا تھا تو اس کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ اس سے تھوڑی دیر پہلے اسے اور دوسرے حقیقی شکاریوں کو جب یہ پتہ چلا کہ صرف ایک ہی شخص نے ۱۸ گوریلاؤں کو محض شوقِ شکار میں مار ڈالا تو انہیں بہت غصہ آیا۔ اگر دوسرے لوگ بھی ایسا ہی کرنے لگ جائیں تو بہت جلد یہ تمام جانور ختم ہو جائیں گے۔ ایکلی نے سوچا کہ بلجیم کی حکومت کو ایسی جگہ تیار کرنا چاہیئے جہاں گوریلا محفوظ رہ سکیں۔ ایسے مقام میں کوہ مکینو کوہ کاریسمبی اور کوہ وسوکی شامل کئے جا سکتے ہیں جو کہ چار میل دور تک ایک تکونی شکل میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں تقریباً سو جانور ہوں گے۔ اور غالباً یہ اس جگہ کو چھوڑتے بھی نہیں تھے۔ اگر ان گوریلاؤں کو حفاظت کے ساتھ رکھا جائے تو یہ جلد ہی سیکھ جائیں گے کہ انسان سے خوف نہیں کھانا چاہیئے۔ یہ مطالعہ کیا جا سکے گا کہ وہ درحقیقت کس طرح زندگی گزارتے ہیں۔ اور یہ مطالعہ سائنس کے لئے بڑا بیش قیمت ہوگا۔

ایکلی کا خیال بلجیم کے بادشاہ البرٹ تک پہنچا دیا گیا۔ اس کا یہ مصمم عقیدہ تھا کہ ان جانوروں کی اور اس ملک کی دولت کی حفاظت کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے نتیجہ میں ایکلی نے اپنی وفات سے سال بھر پہلے ہی اپنے خیال کو حقیقت کا جامہ پہنتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ جس جگہ کا ایکلی نے ذکر کیا تھا وہ "پارک نیشنل البرٹ" بن گئی اور وہاں گوریلا

محفوظ رہ سکیں گے۔

جونہی ایکلی نیو یارک واپس پہنچا اس نے گوریلاؤں کو تیار کرنے کا کام شروع کر دیا۔ یہ ساری محنت صرف محبت کی بنا پر تھی۔ پہلی مرتبہ ان جانوروں کو اس طرح دکھایا جا سکے گا جس طرح کہ یہ اپنے گھروں میں حقیقتاً زندگی گزارتے ہیں۔ نہ کہ اس عجیب و غریب انداز سے جیسا کہ لوگوں نے ان کے بارے میں سوچ رکھا تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ اگر وہ اس زبردست نر کو چہرے پر ایک وحشیانہ ایک غضب ناک تاثر لئے ہوئے کھڑا کر دے گا تو اس سے ان لوگوں کو خوشی محسوس ہوگی جو خوفناک چیزوں کو دیکھنے کے شائق ہوتے ہیں۔ مگر افریقی ہال میں جانوروں کو اس طرح دکھایا جائے گا جیسے کہ وہ حقیقتاً ہیں نہ کہ اس طرح جیسے لوگ ان کے متعلق خیال کرتے ہیں۔

ایکلی کا گروہ ایک حیرت انگیز طور پر خوبصورت جگہ میں ایک پر سکون خاندان کا منظر پیش کرے گا۔ یہ بالکل اسی مقام کی مانند ہوگا جیسے کہ ایکلی نے منتخب کیا تھا۔ نقش اس تصور کو بنانے کے لئے رہیں جائے گا۔ اس گروہ کی تکمیل کارل کی زندگی میں نہ ہو سکی۔ مگر یہ آج ایکلی کے افریقی ہال میں کھڑا ہوا ہے۔

اس کے بعد کے سالوں میں ایکلی کا وقت کبھی شدید ترین غم اور کبھی انتہائی خوشی کی حالت میں گزرا۔ افریقی ہال کا خیال اس کی زندگی پر چھائے رہا۔ وہ دو تہائی میں بہت ہی کم وقت گزار پاتا تھا۔ اس کے دنوں کا ہر گھنٹہ اس ہال کے منصوبے بنانے اور اس کے لئے روپیہ حاصل کرنے کی خاطر مجمع عام میں تقریریں کرنے میں صرف ہوتا تھا اور اسی زمانہ میں اس کے اور ڈیلیا ایکلی کے درمیان علیحدگی ہو گئی اور اس طرح ان کی بیس سال سے زائد کی شاہانہ زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ اب ایکلی نے خود کو اپنے کام میں اور بھی زیادہ جھونک دیا۔ مہینوں تک وہ ایسی سخت محنت کرتا رہا کہ اس کی جگہ دوسرا آدمی ہوتا تو وہ ایک ہی ہفتہ میں چل بستا۔

افریقی ہال کا منصوبہ

ایکلی ہمیشہ یہی منصوبہ بناتا رہا کہ افریقی ہال کا نام اس
دوست تھیوڈور روزویلیٹ کے نام پر رکھا جائے
نے لکھا ہے " میں روزویلیٹ افریقی ہال کو اس کے نام کے شایان شان بنانے کے لئے
کچھ بھی کر سکتا ہوں وہ کر رہا ہوں "۔

اس منصوبہ پر بہت بڑی رقم صرف ہو گی۔ شہر کو عجائب گھر کے ساتھ ایک
عمارت کا اضافہ کرنا پڑے گا۔ جس پر دس لاکھ ڈالر سے بھی زائد رقم کی لاگت آئے
اس کے بعد سامان اکٹھا کرنے اور گروہوں، شکلوں اور منظروں کی تکمیل کے لئے
دس لاکھ کی ضرورت پڑے گی۔ افریقی ہال کے بارے میں لوگوں کو بتانے کے لئے ا
نے تمام ممالک متحدہ کا دورہ کیا اس نے اس کے متعلق مضامین لکھے۔ اور ایک کتاب
" روشن ترین افریقہ میں (IN BRIGHTEST AFRICA) لکھی۔ اس لئے اس کے متعلق
ہر اس شخص سے گفتگو کی جو اسے کچھ مدد کرنے کے قابل نظر آیا۔

ایکلی کے دوستوں کو اس کی جانب سے بڑی تشویش تھی۔ وہ محسوس کرر
کہ وہ بہت زیادہ محنت کر رہا تھا۔ اس کے منصوبے بہت ہی بڑے تھے۔ اور ان پر
انتہا رقم خرچ ہو گی۔ یہ محسوس کیا گیا کہ افریقی ہال اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب کہ
کے لئے اس ہال کو استعمال کر لیا جائے گا جو پہلے ہی عجائب گھر میں موجود ہے۔

میں ایکلی سے گفتگو کرنے کے لئے راضی ہو گیا۔ مگر میں جانتا تھا کہ وہ اس سے
تاثر قبول کرے گا۔ بے شک اس نے کہا تھا۔ "تمہیں" اس نے اس خوبصورت اور
سے نقشے کی طرف اشارہ کر کے دکھایا جو اس نے کئی سال پہلے افریقی ہال کے بارے
اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے بنایا تھا۔ چھوٹے پیمانہ پر اسمیں ہر چیز موجود تھی۔
بڑے بڑے، ہاتھیوں سے لے کر ان چالیس میں سے ہر ایک مکمل شکل میں موجود تھا۔
نقش کئے ہوئے مناظر درختوں اور جانوروں کے' اس نے کہا۔ اگر میں اس

کی تکمیل سے پہلے ہی مر جاؤں تب بھی مکمل منصوبہ اسمیں موجود ہے۔ آخر کار لوگ یہ جان ہی جائیں گے کہ صرف ایک مخصوص انداز کا تعمیر شدہ ہال ہمارے لئے ہی موزوں ہوگا۔"

اس نے مجھے بتایا کہ اس وقت تک تو وہ اپنے کام کے بارے میں مطالعہ ہی کر رہا تھا۔ اب تک اس نے جو کچھ سیکھا تھا۔ وہ اسے ایک مکمل عجائب گھر میں جمع کر دینے کے لئے تیار تھا۔

اس کے بعد واقعات نے رونما ہونا شروع کر دیا۔ ۱۹۲۴ء میں کارل نے دوبارہ شادی کرلی۔ اس کے اگلے سال افریقی ہال کا مستقبل خاص طور پر روشن نظر آنے لگا۔ روچیسٹر کا بارج ایسٹ مین افریقہ میں شکار کی مہم پر روانہ ہونا چاہتا تھا۔ حالانکہ اس کی عمر ۷۰ کو پہونچ چکی تھی مسٹر ایسٹ مین اور اس کے ایک دوست ڈینئیل ای پوم رائے نے ۱۹۲۶ء کی ایکلی ایسٹ مین پوم رائے مہم کے لئے کافی رقم مہیا کر دی۔ کارل کے لئے اپنی خوشی پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ اس کا خواب حقیقت کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔

اس مہم پر روانہ ہونے سے پہلے کے چند ہفتوں کے دوران میں ایکلی سے اکثر ملتا رہا۔ وہ صبح سات بجے سے لے کر رات گئے تک کام کرتا تھا۔ مگر اسے اس قدر خوشی، کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ ایک شام کو جہاز میں بیٹھنے سے تھوڑی دیر پہلے ایکلی مجھ سے اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں اس کی تمناؤں اور اس کی زندگی میں افریقی ہال کی اہمیت کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ ایک دوسرے کو الوداع کہتے وقت اس نے کس قدر گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کیا تھا اور اس کی آنکھوں میں کس قدر محبت آمیز تاثر جھلک رہا تھا۔ اس کے اگلے دن میں تقریری دورے پر روانہ ہو گیا اور اس کے بعد میں اسے کبھی نہ دیکھ سکا۔

آخری مہم

کارل اور مسز ایکلی ۱۹۲۶ء کے اوائل میں جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ پہلے وہ انگلستان گئے اس کے بعد بلجیم گئے۔ جہاں شاہ البرٹ نے پارک نیشنل البرٹ کا خیال پیش کرنے کی بنا پر ایکلی کا شکریہ ادا کیا۔ آخر کار وہ افریقہ پہنچ گئے جہاں ان کے ساتھ البیٹ مین اور مسٹر پوم رائے دو کھال بھرنے والے اور دو نقاش شامل ہو گئے۔

آٹھ مہینے میں ایکلی نے سات گروہوں کے لئے جانور اور سامان اکٹھا کر یہ کام بہت ہی سخت تھا۔ بہت سے زیادہ کام کرنے کی بنا پر وہ بیمار ہو گیا۔ اس اسے آرام کرنے کے لئے نیروبی بھیج دیا گیا۔ یہاں وہ تین ہفتے تک رہا اور اس دور میں کام پر واپس آنے کی برابر خواہش کرتا رہا۔ جسم میں کافی توانائی آنے سے پہلے وہ گوریلاؤں کے علاقے کیوو کی طرف چلا گیا۔ جہاں کہ ایک نقاش مناظر کر رہا تھا۔

حسب منصوبہ یہ مہم اکتوبر میں ختم ہونے والی تھی۔ اب تک جو زبردست ہو چکا تھا اس کی بنا پر اس سفر کو پہلے ہی عظیم کامیابی کا حامل قرار دیا جا چکا ہے۔ اب مین اور پوم رائے جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ مگر ایکلی جانے کے لئے تیار نہیں تھا کتنا ہی کام ہو چکا ہو۔ مگر ابھی اس سے بھی زیادہ کام کرنا باقی تھا اور وہ خود کو روانگی کے لئے مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ شاید اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اب اسے زیادہ عر نہیں جینا تھا۔

ایکلی نے کانگو کی مہم پر جانے کا منصوبہ بنایا۔ ایک دوست نے اس سے پوچھا "کیا تم میں اتنی طاقت ہے کہ تم ایسی مہم پر روانہ ہو سکو۔ کارل نے جواب دیا تھا " سوال کا جواب یہ مہم دے گی۔" خود میرا خیال یہ ہے کہ وہ "دنیا کے حسین ترین مقام پر جاتا تھا۔

یہ سفر بہت دشوار تھا۔ وہاں بہت سی پہاڑیاں تھیں۔ اور گرمی بھی سخت پڑ رہی تھی۔ ایکلی بیمار پڑ گیا۔ اور اس قدر کمزور ہو گیا کہ اس سے چلا پھرا بھی نہیں جاتا تھا۔ بارش کا ایک زبردست طوفان آیا تو اسے چار میل تک اٹھا کر لے جایا گیا اور اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ ٹھہر کر خیمہ لگایا جائے۔ اگلے دن اس کی طبیعت بہتر ہو گئی اور کوہ شورو کے علاقے میں پیدل چلنے کے قابل ہو گیا۔ ایکلی ایسے ملک کے قریب پہنچ رہا تھا جس سے کہ اسے دنیا کے تمام ملکوں سے زیادہ محبت تھی۔

حالانکہ وہ بہت بیمار تھا اس کے باوجود وہ کوہ مکینو اور کوہ کاری سمبی کے درمیان کی اسی جگہ گیا جہاں اس نے گوریلا شکار کئے تھے۔ اس راستہ کا کچھ حصہ اسے طے کرکے جانا پڑا تھا۔ یہ جگہ گیارہ ہزار فٹ بلند تھی اور بہت سرد تھی۔ تھوڑی سی آگ جو جلا سکتے تھے اس نے انہیں برائے نام امداد پہنچائی۔ اس بلندی سے اس کے دل کو نقصان پہنچ گیا۔ ایک بڑے زور کا برف باری کا طوفان آیا۔ اس سے ایکلی کی بیماری اور بھی بڑھ گئی۔ اس جگہ پہونچنے کے تین دن بعد جس سے کہ اسے محبت تھی وہاں اس کا انتقال ہو گیا۔

کارل ایکلی کی آخری آرام گاہ حسین کوہ مکینو کے ڈھلان پر واقع ہے۔ اس کے کتبہ میں اس کا نام اور تاریخ وفات ۱۷ نومبر ۱۹۲۶ء درج ہے۔

افریقی ہال کو جس کا کہ ایکلی ساری زندگی خواب دیکھتا رہا تھا۔ اس کی بیوی اور چند دوستوں نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ حالانکہ وہ اسے تھیوڈور روزویلٹ کے نام سے موسوم کرنا چاہتا تھا۔ مگر ۱۹ مئی ۱۹۳۶ء کو اس کا افتتاح ایکلی افریقی ہال کے نام سے عمل میں آیا۔ ۱۳۰ سے زیادہ افراد ایکلی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اس خوشنما کمرے میں اکٹھے ہوئے جو افریقہ کے مناظر فطرت کے سکون اور حسن سے لبریز تھا۔

اس کی دیواریں گہرے ہرے اور چمکدار پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ ہر صندوق کے

اور ریشم گول تشکیلیں استادہ ہیں ۔ جو افریقہ کے مناظر کی نمائندگی کرتی ہیں ۔ آٹھ بڑے بڑے ہاتھی اس کمرے کے وسط میں کھڑے ہوئے ہیں ۔ گھنے جنگل کے سے مشابہت دینے کے لئے اسے تاریک کر دیا گیا ہے ۔ روشنی سے منور کئے ہوئے گڑھوں میں انسان خود افریقہ کو دیکھ سکتا ہے ۔ بے آب ریگستان، جانوروں سے بھرے ہوئے ہموار میدان، بڑے بڑے پہاڑ، جھیلیں اور دریا وہاں کی جنگل کی زندگی کا دھوپ اور سایہ دونوں میں دیکھا جا سکتا ہے ۔ جانور کسی درخت کے نیچے آرام کرتے ہوئے جنگل کی دھندلی روشنی میں چرتے ہوئے انسانی دشمنوں کی ایذا رسانی سے بہت دور نہایت خاموشی کے ساتھ کھڑے ہوئے ہیں ۔

ہر سال بیس لاکھ افراد اس ہال میں سے گزرتے ہیں ۔ ہر شخص بغیر اس کا احساس کئے ایکلی کے اس عظیم خواب کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے جس کی خاطر اس نے اپنی جان بھی دے دی ۔

حصہ سوم

اقصائے عالم تک

کسی کی زندگی کو یاد رکھنا اور اس پر غور کرنا تاریخ کے صفحات کی طرح انسان کو بہت سی باتیں سمجھا دیتا ہے۔ کوششیں، ناکامیابیاں اور زندگی کے اہم موڑ بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ میری زندگی کی یہ چھوٹی سی کہانی ایسی جگہ اور ایسے واقعہ سے شروع ہوتی ہے۔ جو میری زندگی بھر کے کام کے لئے اہم ترین بن گیا۔

۱۹۲۳ء کی گرمیوں کی بات ہے کہ میری قیادت میں جو وسطی ایشیا کی مہم گئی ہوئی تھی۔ اس نے بیرونی منگولیا کے عین وسط میں خیمہ لگا رکھا تھا۔ گرمیوں بھر ہم صحرائے گوبی میں اندر سے اندر تر چلے گئے تھے۔ کھوج لگانے کے کام میں موٹریں پہلی مرتبہ استعمال کی جا رہی تھیں۔ مگر اب سردی کسی دن بھی شروع ہو سکتی تھی۔ ٹھنڈی ہوا اور تیز سردی سے مجبور ہو کر آرکٹک کے علاقے سے بھورے آسمان کی پہاڑیوں پر کالی کالی لکیروں کی شکل میں اڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ یکایک اس فضا میں باریک برف دھول کی طرح اڑتی ہوئی نظر آنے لگی۔ یہ ایسی علامات تھیں جن سے کہ ہر کھوج لگانے والے کو واقفہ پڑتا ہی تھا۔ جیسے پانی کا کنواں

یہاں سے سینکڑوں میل دور تھا۔ اس کا راستہ ایسے ملک میں سے ہو کر جاتا تھا جس کے حالات کا ابھی علم نہیں ہو سکا تھا۔ یہاں ہماری ملاقات ایسی جماعت سے ہو گئی جو اونٹ لے کر آ رہی ہو گی۔ اگر ہم منگولیا کے نامعقول برفانی طوفان کی زد میں آ گئے تو شاید ہم اس کنوئیں تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے۔

ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ ہمارے اور اس کنوئیں کے درمیان سوائے چھ ہزار فٹ بلند پہاڑ کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ مجھے یہ علم نہیں تھا کہ موٹر کاریں اس پہاڑ پر سے گزر بھی سکیں گی یا نہیں۔ مگر اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ ہمیں اس کنوئیں کی طرف سیدھا روانہ ہو جانا تھا۔

تین دن تک ہم مشرق کی سمت میں ایک ایک میل بڑی دقتوں کے ساتھ بڑھ رہے تھے۔ زمین جس میں بیشتر چیانیں ریت اور گڑھے تھے موٹر کاروں کے لئے بہت ہی خراب ثابت ہو رہی تھی۔ پانی کے تو وہاں آثار تک نہ تھے۔ ہم پہاڑوں کے بارے میں برابر سوچتے رہے۔ مگر وہاں تو ایک پہاڑی تک بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

دوسرے دن ہم نے ستاروں کے ذریعہ پیمائش کر کے اپنے مقام کا تعین کیا۔ ہم پہاڑوں کو پہلے ہی پار کر چکے تھے وہاں پہاڑ تھے ہی نہیں۔

مجھے اپنے پانی کے ذخیروں کے بارے میں بڑا اندیشہ تھا۔ پانی کے تمام برتن خشک ہو چکے تھے۔ پانی کے آخری قطرہ کو بھی موٹروں میں استعمال کرنا پڑ گیا تھا۔ پانی کی ضرورت ہر ایک کو پیش آ رہی تھی۔ تب تیسرے دن شام کی تاریکی پھیلنے سے ذرا دیر پہلے ریگستان میں بہت دور ہمیں منگولیا والوں کا خیمہ نظر آیا۔ جہاں بھی انسان ہوں گے پانی کا ہونا ضروری ہے۔

جے۔ کی۔ شیکل فورڈ جو اس ہم کے لئے تصویریں اتار رہا تھا۔ میرے ساتھ

کار میں بیٹھا ہوا تھا جو کہ دوسری کاروں سے ایک میل آگے چل رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ پیچھے آنے والوں کا یہیں انتظار کرے اور جب وہ آ پہنچیں تو انہیں یہیں روک لے۔ میں خیمہ میں جا کر ان لوگوں سے پوچھوں گا کہ پانی کہاں دستیاب ہو سکتا ہے۔ وہ کار سے اتر گیا۔ اور میں منگولوں کے خیمہ کی طرف چل دیا۔

وہاں صرف ایک شخص اور اس کی بیوی تھے۔ وہ میری کار کو دیکھ کر بہت خوفزدہ ہوئے۔ انہوں نے اس قسم کی چیز کو کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ عورت ایک کونے میں جا کر گھٹنوں کے بل جھک گئی اور چلانے لگی۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو خوف کی وجہ سے اسے بخار سا چڑھ آیا۔ اس آدمی نے نکل بھاگنے کی کوشش کی۔ میں نے اس عورت کو ایک آئینہ دیا۔ اس میں اس نے اپنا چہرہ زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا، وہ اسے پا کر کچھ خوش سی نظر آئی۔ اس منگول نے مجھے بتایا کہ کنواں وہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔

جب میں واپس دوسری کاروں کے قریب پہنچا تو سارے لوگ ڈاکٹر والٹر گرینگر کے ارد گرد جمع ہو رہے تھے یہ ہمارے گروہ کا سب سے بڑا "ماہر متحجرات" (PALEONTOLOGIST) تھا۔ یعنی وہ شخص جو پودوں اور جانوروں کے دبے ہوئے پتھر کی مدد سے ارضیات کا مطالعہ کرے۔ اس کے ہاتھ میں ایک سفید سی آٹھ انچ سی کھوپڑی تھی۔

اس نے کہا: "ذرا اس کی طرف نظر تو ڈالو"

میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا یہ ایک رینگنے والا جانور (REPTILE) تھا۔ شاید یہ ڈینوسار (DINOSAUR) تھا۔ مگر میں نے اس قسم کا جانور اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ گرینگر اور برکی نے دیکھا تھا۔ جن کا کہ خصوصی میدان، ارضیات تھا۔

میں نے پوچھا "تمہیں یہ کہاں ملا؟"

گرینگر نے ایک سرخ عمودی چٹان کی طرف اشارہ کر کے کہا "شیکل فورڈ کو یہ وہاں شمال کی طرف ملا ہے" جہاں ہم کھڑے تھے۔ وہاں سے صرف یہ چٹان نظر آ رہی تھی۔

شیکل فورڈ نے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ کاروں میں بیٹھے ہوئے میرا انتظار کریں۔ اس کے بعد وہ کھوج لگانے چلا گیا تھا۔ وہ ریگستان میں ایک کشادہ اور نشیبی جگہ جا پہنچا اور نیچے اتر کر تھوڑی دور تک یہ دیکھنے کے لئے چل کر گیا کہ دیکھیں یہ کس قسم کا ہے اس کے سامنے ایک چٹان پر یہ سفید کھوپڑی پڑی ہوئی تھی۔ وہ اسے اٹھا کر دوڑتا ہوا کاروں کی طرف آیا۔ ہمیں یہ کھوپڑی اس قدر قیمتی معلوم ہوئی کہ ہمیں مزید دیکھ بھال کے لئے جانا پڑا۔ اس منگول نے یہ کہا تھا کہ کنواں نشیبی علاقہ کی زمین میں تھا۔ ہم رات گزارنے کے لئے وہیں خیمہ لگائیں گے۔ خوب پانی بھر لیں گے اور اندھیرا ہونے تک قدیم حیوانات کے آثار کو تلاش کرتے رہیں گے۔

جلتی ہوئی چٹانوں کی دریافت

یہ عجیب و غریب جگہ تھی۔ ایک بہت بڑی گولائی دار، اور انگارے کی طرح سرخ وادی تھی۔ جسے ہوا، برف اور بارش نے ہموار زمین میں سے کاٹ کر بنایا تھا۔ اونچی اونچی سی پہاڑیاں جن کے پہلو تقریباً عمودی تھے۔ زمانہ قدیم کے پتھر کے بنے ہوئے عجیب و غریب جانوروں کی طرح الگ تھلگ کھڑی ہوئی تھیں۔ چٹان میں بڑے بڑے گہرے شگاف پڑے ہوئے تھے۔ جونہی تاریکی پھیلنا شروع ہوئی۔ اس مقام پر ایک عجیب و غریب صحرائی حسن نیلگوں سرخی لئے ہوئے نمودار ہوا۔ جب سورج غروب ہوا تو چٹانیں جلتی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔ ہم نے اس جگہ کا نام "جلتی ہوئی چٹانیں" رکھا۔

ہم نے خیمہ لگایا ہم سب قدیم حیوانات کے آثار کی تلاش میں چاروں طرف نکل کھڑے ہوئے۔ سفید ہڈیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہر جگہ بکھرے پڑے تھے۔

کئی لوگوں کو بڑے بڑے ڈھانچوں کے اجزا اس چٹان کے اندر نظر آئے مگر ہمارے پاس نہیں باہر نکال لانے کا وقت نہیں تھا۔ رات پہلے ہی طاری ہو چکی تھی

صبح کو اس عجیب و غریب جگہ کو چھوڑ کر جانا بڑا مشکل لگ رہا تھا۔ اگر ہمیں یہ احساس ہو جاتا کہ یہ منظر بی تاریخ کے نقطۂ نظر سے اب تک دریافت ہونے والے اہم ترین مقامات میں سے تھا تو اسے چھوڑ کر جانا دشوار تر ہو جاتا۔ مگر ہمیں ہوا میں برف کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ اگر ہم چند گھنٹے اور ٹھہر جاتے تو شاید ہم یہاں سے باہر بھی نہیں نکل سکتے تھے تھوڑی دیر بعد برف کا ایک طوفان ارکٹک کی شدت کے ساتھ آیا۔ مگر اس وقت تک ہم میٹھے پانی کے کنوئیں پر اپنی جماعت سے جا ملے تھے۔ اور وہاں پر ہم سب لوگ بالکل محفوظ تھے۔

پیکنگ میں اس مہم کے دفتر پہونچتے ہی ہم نے اس کھوپڑی کو نیویارک روانہ کر دیا جو کر فیل فورڈ کو ملی تھی۔ چند ہفتے بعد ہی ہمیں ہنری فیرٹ چائلڈ اوسبورن کا خط ملا جو کہ اس وقت فطری تاریخ کے امریکی عجائب گھر کا صدر تھا۔ اسے بڑی خوشی ہوئی اور اس نے اس میں بڑی دلچسپی لیتے کو لکھا تھا "تمہیں جو ملا ہے وہ ایک قدیم ترین ڈینوسار ہے واپس جاؤ اور مزید حاصل کرو"

جس قسم کا ڈینوسار ہم نے دریافت کیا تھا وہ تقریباً سات یا آٹھ کروڑ سال پہلے پایا جاتا تھا۔ ان کی ہڈیاں امریکہ میں بھی ملی ہیں۔ مگر یہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس قسم کے ڈینوسار آئے کہاں سے تھے۔ ہماری چھوٹی سی کھوپڑی نے اس کا جواب مہیا کر دیا تھا۔

اگلے سال ہم جلتی ہوئی چٹانوں پر واپس گئے۔ موسم گرما ایک دم آ گیا تھا۔ اور دن بڑے گرم ہو گئے تھے۔ سال بھر تک وہاں بارش قطعی نہیں ہوئی تھی۔ کاریں بھوری اور خشک زمین پہ سفر کرتی رہیں۔ گرمی کی بنا پر عجیب عجیب شکلیں ہماری نگاہوں کے سامنے نظر آنے لگیں۔ ایسی ایسی جگہ پانی نظر آنے لگا جہاں کے بارے میں ہمیں علم تھا کہ پانی ہرگز

نہیں ہے۔ جانور ہوا میں رقص کرتے ہوئے اور پرندے زمین پر دوڑتے ہوئے نظر آنے لگے۔ یہ ایسی دنیا تھی جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ریل پر میل پہیوں کے نیچے سے نکلتے جا رہے تھے۔ اونٹوں کی سفید کھوپڑیوں اور دوسرے جانوروں کی ہڈیوں نے راستہ سا بنا رکھا تھا۔ ایک عورت کا ڈھانچہ ان چند نشانیوں میں سے تھا جو یہ بتا رہی تھیں کہ یہاں کبھی انسان رہ چکے ہیں۔ اسے اس ریگستان میں مرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔

جب ہم جواہرات کی وادی میں پہنچے تو ابھی گرم اور سرخ سورج کے غروب ہونے میں ایک گھنٹے کی دیر تھی۔ ہم نے ایک پرانے کنویں سے ۳۰ فٹ کے فاصلے پر کہ جس میں نفیس پانی کافی مقدار میں موجود تھا اپنا خیمہ نصب کیا۔

ریگستان کی آوازیں

ایک نوجوان منگول ہمارا رہنما تھا۔ اس سے ہماری ملاقات کے کچھ عرصہ پہلے ہی ایک لاقانونی شخص نے اس کے سارے خاندان کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس رات وہ چت لیٹا ہوا تاروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یکایک اسے عجیب و غریب آوازیں سنائی دیں جو نہ انسان کی معلوم ہوتی تھی اور نہ جانور کی۔ وہ ایسی آوازیں تھیں جو آوازیں بھی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ وہ بلند ہوتی تھیں اور غائب ہو جاتی تھیں۔ اس کے بعد پھر ان سے ساری فضا گونج اٹھتی تھی وہ بہت ہی خوفزدہ ہوا۔ وہ گرینگر کو جگانے کے لئے بھاگا جو کہ سویا پڑا تھا۔ گرینگر ایک دم اٹھ بیٹھا۔ اس نے بندوق اٹھائی اور باہر نکل آیا۔ آجکل چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اس سے تقریباً دن ہی جیسی روشنی ہو رہی تھی۔ اس سے ہر چیز صاف صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ایک ایک چٹان اور ایک ایک پتھر یہاں تک کہ اس کی ہاتھ کی لکیریں بھی۔ ریگستان میں ایک بہت ہی سرد ہوا چلنے لگی۔

پانچ منٹ تک وہ اس ہموار میدان میں ادھر سے ادھر تک دیکھتا رہا۔ اور رہنما کا ہاتھ

اس کے بازوؤں پر رکھا رہا۔ تب بہت دور سے دبی دبی اور ہلکی ہلکی آوازیں آنے لگیں۔ جو کبھی تیز ہو جاتی تھیں اور کبھی مدھم پڑ جاتی تھیں۔ یہ دنیا کی تمام آوازوں سے مختلف تھیں۔ گرینگر نے سوچا "یہ آوازیں تو ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے مرے ہوؤں کی روحیں آپس میں باتیں کر رہی ہوں"

وہ میرے پاس آیا اور اس نے پکار کر کہا "رائے اٹھ بیٹھو۔ ریگستان میں کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے"

"کیا بات ہے؟"

"مجھے پتہ نہیں۔ انسان کی سی آوازیں آ رہی ہیں"

ایک لمحے میں، میں باہر پہنچ چکا تھا۔ تھوڑی دیر تک ہم کھڑے کھڑے سنتے رہے ہر طرف مکمل خاموشی ہو گئی۔ اس کے بعد وہ ہلکی ہلکی آوازیں پھر آنے لگیں۔ کسی گم شدہ روح کی ہلکی سی چیخ کی طرح وہ ختم ہو گئی۔

میں نے پوچھا "یہ کیا تھی۔؟ یہ حقیقت تو نہیں تھی۔ مگر یقیناً میں نے کوئی آواز سنی ضرور تھی"

چاندنی رات میں ریتھا کا چہرہ بالکل سفید نظر آ رہا تھا۔ اس نے ہلکی سی آواز میں کہا تھا "میرے خاندان والوں کی روحیں اس جگہ آئی ہیں۔ جہاں کہ وہ لوگ رہا کرتے تھے"

میں نے ایک دم گرینگر کا کندھا پکڑ کر کہا "دیکھو ادھر دیکھو۔ کیا تمہیں نظر آ رہا ہے؟۔ ہوا میں وہ چیز!

ایک شکل جو بادل کی طرح پتلی سی تھی۔ کنوئیں کے تاریک دہانے سے آسمان کی طرف اٹھتی ہوئی نظر آئی۔ یہ لمبی سی لمبی ہوتی چلی گئی۔ اس شکل میں سے دو بازو باہر نکلے دو انگلیاں بن گئے اور پھر رات میں غائب ہو گئے۔ تب دوسری شکلیں صورت پذیر ہو گئیں

رقص کرتے ہوئے بچوں کی لمبی قطار کی طرح جو ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں
ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہوا انہیں کبھی دور لے جا رہی ہو اور کبھی نزدیک لا رہی ہو اور پھر
وہ اڑتے ہوئے چلے گئے۔ یہاں تک کہ چاند کا جزو بنتے ہوئے نظر آنے لگے۔

میں نے انہیں دیکھا۔ اور گرنیگر اور رہنما نے بھی دیکھا وہ ایسی کوئی چیز نہیں تھی جب
کہ ہم نے ان کے بارے میں سوچا تھا۔ اگر کوئی چیز وہاں نہ ہوتی تو وہ تین اشخاص کو ایک
ہی انداز سے نظر نہ آتی ہوتی۔ یکایک وہ خاموشی ایک بہت بڑے پرندے کی چیخ سے
ٹوٹ گئی۔ جب وہ آواز غائب ہو گئی تو جہاں سے وہ آواز آ رہی تھی رات کے اس حصہ
میں ایک گڑھا سا نظر آنے لگا۔

گرنیگر نے اور میں نے اس جگہ کا معائنہ کیا جہاں کہ وہ چیز ہوا میں معلق نظر آ رہی
تھی جس قدر تیزی کے ساتھ ہوا چلنے لگی تھی اسی قدر تیزی کے ساتھ وہ بند بھی ہو گئی۔ مگر
وہاں بھی وہاں صرف کنویں کا کالا کالا منہ اور چمکیلی ریت نظر آئی۔ چاند کے چہرے پر سے ایک بادل
گزر گیا۔

ایک گھنٹہ تک دائرہ اور میں بیٹھے بیٹھے سگریٹ پیتے رہے ہم غور سے دیکھتے رہے اور
سنتے رہے مگر نہ تو وہ آوازیں ہی دوبارہ آئیں اور نہ وہ شکلیں۔ ریگستان پر خاموشی
طاری تھی۔

میں نے کہا "قدیم اطالوی سیاح مارکو پولو نے بھی اپنے سفرنامہ میں گوبی کو یاد کرتے
ہوئے اس چیز کا ذکر کیا ہے۔ اس کی کہانی یہ ہے کہ یہ آوازیں یہ چاہتی ہیں کہ سیاح ریگستان
میں روانہ ہو جائیں۔ وہاں پر وہ پانی نہ ملنے کی بنا پر مر جاتے ہیں۔ سویڈن کے مشہور کھوج
لگانے والے سوین ہیڈن نے بھی ان آوازوں کو سنا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ منگول ان
آوازوں سے ڈرتے ہیں۔ روسی کھوج لگانے والے بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ بیشک ان کی
وضاحت کرنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ موجود ہوگا۔ میں بھوتوں میں اعتقاد نہیں رکھتا۔"

والٹر نے مسکرا کر کہا۔ "میں بھی اعتقاد نہیں رکھتا۔ مگر ہم نے جو کچھ سنا اور دیکھا وہ کافی حقیقی ہے۔"

اگلی صبح گرینگر نے اور میں نے رات میں گزرا ہوا واقعہ بیان کیا۔ ڈاکٹر ہری جانتا تھا کہ اس کی وضاحت کس طرح کی جائے۔ اس نے دوستانہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔ "تم نے روحوں کی آوازیں نہیں سنی تھیں۔ کل گرمی بہت سخت تھی یعنی ۱۰۸ درجہ۔ جب میں سونے کے لئے لیٹا تو اس وقت حرارت صرف ۷۶ درجہ تھی۔ اس کا مطلب ہے صرف چند گھنٹوں میں درجہ حرارت ۳۲ درجہ گر گیا۔ آدھی رات کو شاید اس سے بھی زیادہ ٹھنڈک تھی۔ جب میں ریگستان میں ٹہل رہا تھا تو میں نے دیکھا بہت سی چٹانوں میں نئے نئے شگاف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دن کی زبردست گرمی اور رات کی فوری ٹھنڈک کی بنا پر چٹانیں پہلے تو پھیلیں پھر سکڑ گئیں۔ اس سے وہ تڑک گئیں۔ جب گرم ریگستان پر سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا گزر رہی تھی۔ تو تم نے بہت سی چٹانوں اور پتھروں کے ٹوٹنے کی آوازیں سنی تھیں ہوا کے رک جانے کے بعد تم نے ایسی آوازیں نہیں سنیں۔

تمہاری شکلیں فطرت کی بنا ہی پیدا ہوئی تھیں۔ کنوئیں کا ٹھنڈا پانی ریگستان کی گرمی سے گرم ہو گیا اس کا کچھ حصہ مرطوب ہوا میں تبدیل ہو گیا۔ وہ اوپر اٹھا اور اسی سے تمہاری روحیں اور ناچتی ہوئی لڑکیاں بن گئیں۔ شاید چاندنی تمہاری آنکھوں اور تمہارے کانوں میں بھی گھس گئی۔ اس طرح اس کی بخوبی وضاحت ہو گئی۔ مگر ہمارا رہنما ہمیشہ اس بات پر یقین کرتا رہے گا۔ کہ اس نے انسانی آوازیں سنی تھیں۔ اور اپنے خاندان کے مرے ہوئے لوگوں کی روحوں کو دیکھا تھا۔

وہ جھیل جو پہلے وہاں نہیں تھی

اگلی صبح جغرافیہ داں دوسروں سے ایک گھنٹہ پہلے ہی روانہ ہو گئے۔ وہ ایک تصویر بنا رہے تھے یعنی ایسے ملک کا نقشہ" جس کے اندرونی حالات آج تک دریافت نہیں ہوئے تھے۔ ان

کا یہ کام بڑی آہستگی سے چل رہا تھا۔ ہمارے خیمہ سے دس میل آگے مجھے ان کی کار ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ٹھہری ہوئی نظر آئی۔ جب میں وہاں پہنچا تو ان میں سے ایک نے مغرب کی طرف اشارہ کیا جہاں کہ ایک چھوٹی سی جھیل نظر آرہی تھی۔ یہ وہاں سے ایک میل کے قریب نظر آرہی تھی۔

اس نے کہا "میرا خیال ہے کہ نیچے جانے سے پہلے مجھے اسی بلندی پر سے اس کا نقشہ بنا لینا چاہیے۔"

آئینہ کی طرح شفاف پانی پر سمندری پرندے اڑ رہے تھے اور اس کے تقریباً وسط میں ایک ہرا بھرا جزیرہ نظر آرہا تھا۔ میں نے بڑی توجہ کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا۔ آہستہ آہستہ مجھے یہ احساس ہونے لگا کہ اس جھیل میں کوئی گڑبڑ ہے۔ اس کا ساحل صاف نظر نہیں آرہا تھا اور اس کا جزیرہ ایک عجیب وغریب انداز میں رقص کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"میں نے کہا "مزید نقشہ تیار کرنے سے پہلے ذرا انتظار کر لو۔ میرا خیال ہے کہ میں وہاں ہو آؤں۔" پانچ منٹ میں میں اس جھیل کے ساحل پر پہونچ چکا تھا۔ مگر وہاں نہ تو کوئی ساحل تھا اور نہ کوئی جھیل۔ وہاں پانی یا پودوں کے آثار تک نہ تھے۔ قریب کے جانوروں کے سر جو کہ گرمی کی لہروں میں گردن تک ڈوبے چل پھر رہے تھے اڑتے ہوئے پرندے نظر آرہے تھے۔

اس پہاڑی کے سرے پر واپس آکر میں نے نقشہ بنانے والے سے کہا "تم اب نقشہ کا نام 'سراب کی جھیل' رکھ سکتے ہو۔ کیونکہ وہاں یہی چیز ہے۔ سراب ایسے منظر کو کہتے ہیں جو وہاں وجود نہ رکھتا ہو۔ بلکہ مختلف قسم کی گرم اور بھاری ہوا کے درمیان سے روشنی کے گزرنے کی بنا پر وہ وجود اختیار کر لیتا ہو۔ یہ کامل ترین سراب ہے جو کہ میں نے آج تک دیکھا ہے۔"

جب اس جماعت کے دیگر افراد وہاں پہنچے تو انہیں اس بات پر یقین کر دا

مشکل ہو گیا۔ کہ وہ پانی کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ گرمی روشنی اور ہوا نے کس طرح ہمیں بے وقوف بنایا تھا۔ ان حالات نے ہمارے سامنے "جھیا گن نور" یعنی سفید جھیل کا منظر پیش کر دیا۔ جو کہ یہاں سے سو میل دور تھی۔

جب ہم نے مغرب کی جانب سفر کیا تو اکیلے پہاڑوں کی چوٹیاں جنوب کی طرف نظر آئیں۔ تھوڑی دیر بعد ہمیں یہ نظر آنے لگا کہ وہ آپس میں مل گئی ہیں۔ وہ عظیم کوہسار التائی کا مشرقی حصہ تھے۔ جو کہ منگولیا کو دو حصوں میں منقسم کر دیتا ہے۔

اس سرزمین کو طے کرنا آسان کام نہ تھا۔ وہاں ریت تھی۔ چھوٹی چھوٹی اور نیچی پہاڑیاں تھیں جو چھوٹے چھوٹے کٹیلے پودوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ اور ملائم سرخ رنگ کی مٹی تھی۔ مگر ٹھیک اس وقت جبکہ ریگستان سے جنگ کرتے ہوئے ہماری طاقت جواب دیتی ہوئی نظر آئے گی تو ہم اپنے آپ کو میلوں تک ہموار زمین پر سفر کرتا ہوا پائیں گے۔ اس ریگستان میں جگہ جگہ اونٹوں سے پرانے راستوں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ جہاں تک ہو سکا ہم ان کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اس امید میں کہ شاید کہیں کنواں بھی مل جائے۔

ڈینوسار کے انڈے وہ دن ہماری مہم کا ایک عظیم دن تھا جب کہ ہم نے دوبارہ جلتی ہوئی چٹانوں میں خیمہ لگایا۔ لوگ فوراً ہی نیچے وادی میں چلے گئے۔ شام تک ہم میں سے ہر شخص کو ڈینوسار کا ڈھانچہ مل چکا تھا۔ وہ زمین پرانے زمانہ کی ہڈیوں سے پٹی پڑی تھی۔

دوسرے دن جارج اول سین جو کہ ماہرین معدنیات میں داخل ہیں تھا۔ خیمہ میں ایک عجیب وغریب کہانی کے لئے داخل ہوا۔ اس نے کہا کہ اسے چند ایسے انڈے دریافت ہوئے ہیں جو پتھر بن چکے ہیں۔ شروع میں تو ہم سب اس بات پر ہنسنے لگے ہمارا خیال تھا کہ وہ ایسے پتھر ثابت ہوں گے جن کی کہ شباہت انڈوں جیسی تھی۔

جارج نے کہا۔ "اگر تم ہنسنا ہی چاہتے ہو تو ہنس لو۔ مگر وہ حقیقتاً ہیں انڈے ہی۔ ذرا میرے ساتھ آؤ۔"

ہمیں صرف تھوڑی دور تک ہی پیدل جانا پڑے گا۔ اوّل سین نے ایک چھوٹی سی چٹان کی نوک کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں تین چیزیں پڑی ہوئی تھیں جن کی شکل انڈوں کی طرح تھی۔ وہ تقریباً آٹھ انچ لمبے تھے۔ ڈاکٹر گرینگر نے ان میں سے ایک اٹھایا۔ ہم سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔ انڈا کافی بھاری تھا کیونکہ اس کا اندرونی حصہ پتھر بن چکا تھا۔ بیرونی حصہ انڈے کی طرح تھا۔ مگر اس سے زیادہ دبیز تھا۔ یہ بھورے رنگ کا اور بالکل سخت تھا۔

گرینگر نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں اس کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ یہ کسی قدیم ترین پرندے کا انڈا معلوم ہوتا تھا۔ مگر اب تک کوئی اتنا بڑا پرندہ نہیں گزرا ہے کہ اس جسامت کا انڈا دیا ہو۔ پھر اس کی صورت پرندوں کے انڈوں کی طرح سے بھی نہیں۔ اور یہاں پر صرف ڈینوسار کی ہڈیاں ملتی ہیں۔ کیا یہ ڈینوسار کا انڈا ہو سکتا ہے۔؟ ہمیں علم نہیں کہ ان کے بچے کس طرح پیدا ہوتے تھے۔ بیشتر رینگنے والے جانور انڈے دیتے ہیں اور ڈینوسار رینگنے والے جانور ہی تھے۔ شاید وہ انڈے ہی دیا کرتے تھے۔ مگر ان کا کوئی بھی انڈا دنیا کے کسی حصہ میں نہیں ملا ہے۔ میرا خیال ہے کہ انسانوں کا کسی ڈینوسار کے انڈے کو دیکھنا کا یہ اولین اتفاق ہے۔"

ادھر ادھر تلاش کرنے پر ہمیں دو اور انڈے دریافت ہوئے۔ اس کے بعد جارج اول سین کو کچھ چٹانوں کے نیچے ایک چھوٹے ڈینوسار کا ڈھانچہ دریافت ہوا۔ یہ انڈوں سے چار انچ کی اونچائی پر پڑا ہوا تھا۔ یہ اس قسم کا ڈینوسار تھا جو سائنس کے لئے بالکل نیا تھا یہ صرف چار فٹ لمبا تھا۔ حالانکہ یہ اپنے بلوغ کو پہونچ چکا تھا۔ ڈاکٹر اوسبورن کا جو کہ اس گروہ میں شامل ہو گیا تھا۔ عقیدہ یہ تھا کہ یہ ایسا ڈینوسار تھا جو ڈینوساروں کے انڈوں

کو کھا کر گزارا کیا کرتا تھا۔

شکل کے اعتبار سے یہ انڈے لمبے تھے۔ ان میں سے دو کے اندر جو کہ ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو چکے تھے، چھوٹے ڈینو ساروں کی سفید سفید ہڈیاں موجود تھیں۔ ان میں سے کچھ انڈے ٹوٹ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ مگر ان کا بیرونی خول ایسا لگتا تھا جیسے انہیں دیئے ہوئے صرف ایک ہی دن ہوا ہے نہ کہ سات یا آٹھ کروڑ سال۔ ٹوٹے ہوئے حصوں میں سے بہت ہی باریک ریت اندر گھس گئی تھی۔ اور ان کی بنا پر ان کا اندرونی حصہ سخت پتھر بن چکا تھا۔ بعد کے مطالعے سے یہ پتہ چلا کہ یہ انڈے پرندوں یا رینگنے والے جانوروں کے انڈوں سے قطعی مختلف تھے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ کئی انڈوں کے اندر جو سفید سفید ہڈیاں ملی تھیں وہ درحقیقت ڈینو سار کے بچوں کے ڈھانچے تھے۔

شروع کے انڈوں کی دریافت ہونے کے چند دن بعد پانچ مزید انڈے ایک جھرمٹ کی شکل میں ملے۔ اس کے بعد نو انڈوں کا جھرمٹ ملا۔ اس مہم کا ہر رکن انڈوں کی جستجو میں مصروف ہو گیا۔ اور ہر شخص کو کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ ہم سب نے مجموعی طور پر ۲۵ انڈے جمع کئے۔ ہم نے جلتی ہوئی چٹانوں کے قریب چھوٹے چھوٹے ڈینو ساروں کی ۷۰ کھوپڑیاں اور ڈھانچے بھی دریافت کئے۔

انڈے دنیا کی دلچسپی کا مرکز بن جاتے ہیں

اس وقت ہم میں سے کسی نے یہ خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا کہ ڈینو سار کے انڈوں کی دریافت کا مفہوم اس مہم کے اور خود میرے مستقبل کے بارے میں کیا ہوگا۔ بلاشبہ ہم یہ تو جانتے تھے کہ یہ دلچسپی اور اہمیت کے حامل ہوں گے۔ مگر ہم نے دوسری اہم چیزیں بھی دریافت کی تھیں۔ جس وقت ہم پیکنگ پہنچے اسی وقت سے میں یہ سمجھنے لگا تھا کہ لوگوں نے ڈینو سار کے انڈوں کی دریافت کی خبر کا استقبال کس طرح کیا تھا۔

اخباری نامہ نگاروں سے پہلی ہی ملاقات کے دوران ہم نے دیکھا کہ دنیا کے سب سے بڑے اخباروں کے ۱۵ نامہ نگار ہماری مہم کی خبریں سننے کے لئے جمع ہو چکے تھے۔ جونہی انہوں نے دینو سار کے انڈوں کی کہانی سنی وہ اپنے اخبارات کو اس کی اطلاع دینے کے لئے دوڑ گئے۔ چند گھنٹوں کے اندر اندر اس کی خبریں دنیا کے آخری سروں تک پہنچ چکی تھیں۔ اس زمانہ میں پیکنگ اور شنگھائی کے درمیان لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔ لندن کے ایک اہم اخبار نے اپنے نامہ نگار کو لکھا تھا "لڑائی کے بارے میں صرف تیس الفاظ بھیجو۔ اور اینڈریوز کی مہم کے بارے میں سب کچھ لکھو۔

"ہم سب نے یہ محسوس کیا کہ بیشک ان انڈوں نے عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی ہے۔ مگر بعد میں جو کچھ واقع ہوا اس کے لئے کوئی بھی تیار نہ تھا۔

اس وقت میرے لئے یہ ضروری تھا کہ میں امریکہ لوٹ کر اپنی مہم کے لئے دو لاکھ پچاس ہزار ڈالر فراہم کروں۔ مگر جاتے ہوئے برطانوی کولمبیا کے شہر وکٹوریا میں بہت سے نامہ نگار میرے جہاز پر آ گئے۔ سیٹیل کے ایک نامہ نگار نے یہ پیش کش کی کہ اگر میں اس کے اخبار کے لئے اسے نیو یو سار کے انڈے کی تصویریں لینے دوں۔ تو وہ مجھے ... ڈالر ادا کر دے گا۔ دوسرے نامہ نگار نے تین ہزار ڈالر کی پیش کش کی اور سین فرانسسکو کے ایک اخبار نے تو پانچ ہزار ڈالر کی پیش کش کر دی۔ میں نے ان سے کہا میں تمہیں اس کی ساری کہانی سنا دوں گا۔ مگر میں تقریریں فروخت نہیں کروں گا۔"

جب وہ امریکہ کو پار کر کے نیو یارک جا رہا تھا تو ریل کے تقریباً ہر اسٹیشن پر نامہ نگار اس کے گرد آ آ کر جمع ہوتے رہے۔ نیو یارک میں تو نامہ نگاروں نے اور بھی زیادہ دلچسپی لی۔

دینو سار کے انڈے! دینو سار کے انڈے! مجھے ہر جگہ یہی دکھائی دے رہا تھا۔ شروع شروع میں تو مجھے کچھ غصہ آیا۔ اس مہم کے دوران کئی ایسی چیزیں دریافت

ی تھیں۔ جو کہ ڈنیوسار کے انڈوں سے زیادہ اہمیت رکھتی تھیں۔ میں چاہتا تھا کہ ان چیزوں سے آگاہ ہو جائیں۔ مجھے عظیم انڈے والے انسان کی حیثیت سے پکارا جانا ناپسند نہیں تھا۔ مگر لوگ صرف انڈوں ہی میں دلچسپی لیتے رہے۔

حالانکہ انڈوں نے لوگوں کو اپنی طرف اپنی قدر و قیمت سے کہیں زیادہ متوجہ کر لیا تھا۔ پھر بھی ان کی بدولت مجھے توقع سے بہت زیادہ ڈھائی لاکھ ڈالر حاصل ہو گئے۔

"تم نے کھوج لگانے کی ابتدا کس طرح کی؟"

اس ہنگامہ خیز زمانہ میں اور اس کے بعد بھی لوگوں نے اکثر مجھ سے یہ سوال کیا "تم نے کھوج لگانے اور صحرائے گوبی میں ڈنیوسار کے انڈوں کو دریافت کرنے کا آغاز کس طرح کیا؟"

اس کا جواب آسان ہے "اس کے علاوہ میں کچھ اور کر ہی نہیں سکتا تھا۔ میری پرورش ہی اسی طرح ہوئی ہے۔ میں ۲۶ جنوری ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوا۔ اسی دن سے جو کچھ مجھے یاد رہا ہے وہ یہی ہے کہ میں کھوج لگانے والا بننا چاہتا تھا۔ ابتدا ہی میں میرے والدین کو میری خواہش کا علم ہو گیا۔ اور انہوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ مجھے اپنی تمنا کے مطابق کام کرنے دیں گے۔ انہوں نے میری زندگی کو کسی خاص سمت میں موڑنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے مجھے اجازت دے دی کہ میں وسکانسن میں اپنے گھر کے قریب کے جنگلوں اور کھیتوں میں جس قدر بھی چاہوں گھومتا پھروں۔

جب میں بڑا ہو رہا تھا تو میری زندگی کا انداز رابرٹ پیری اور کارل ایکلے کی زندگیوں سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔ ہم سب کو فطرت سے ایسی والہانہ محبت تھی کہ ہمیں گھر سے باہر نکل کر ہی خوشی محسوس ہوتی تھی۔ ان کی طرح میں نے بھی جانوروں کی کھال بھرنا شروع کر دی۔ اس کام سے مجھے جو رقم حاصل ہوئی اس نے مجھے بیلوئٹ کالج کی تعلیم کے مصارف ادا کرنے میں مدد دی۔

میری تمنا یہ تھی کہ مجھے نیویارک کے فطری تاریخ کے امریکی عجائب گھر میں کام کرنے کا موقع ملے۔ ایسے عجائب گھر میں کام کرنا اور غیر مہمات پر واپس جانا ہی خاص خوشی کی بات ہے۔ کالج کی تعلیم سے فراغت پانے سے کچھ عرصہ پہلے میں نے ڈاکٹر ہم پس کو خط لکھا جو کہ اس وقت عجائب گھر کے ڈائرکٹر تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت میرے عجائب گھر میں کوئی آسامی خالی نہیں تھی۔ مگر یہ کہ میں کسی وقت نیویارک جاؤں تو انہیں مجھ سے مل کر خوشی ہوگی۔ انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ مجھے وہاں اسی صورت میں جانا چاہئے جب کہ مجھے وہاں اور کوئی کام ہو۔ میرے لئے یہی کافی تھا۔ کالج سے فراغت پانے کے اگلے ہی ہفتہ میں نیویارک کی طرف جا رہا تھا۔

۱۹۰۶ء میں ایک صبح ۱۱ بجے میں عجائب گھر کے زبردست دروازے کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اپنے آپ کو بہت ہی چھوٹا محسوس کرتے ہوئے میں ڈائرکٹر کے دفتر میں داخل ہوا۔ بعد کے سالوں میں میں ڈائرکٹر کی کرسی پر بیٹھا ہوں۔ اور وہ نوجوان مرد اور عورتیں جو مجھ سے ملنے کے لئے آتے تھے ان کے چہرے سے خوف زدگی کے آثار صاف ظاہر ہوتے تھے۔ اس روز مجھے جو کچھ محسوس ہو رہا تھا وہ مجھے بخوبی یاد ہے۔ مگر ڈاکٹر ہم پس کا رویہ اس سے زیادہ دوستانہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ لمبے تڑنگا اور دبلا پتلا انسان تھا اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ زبردست قوت اور حوصلہ کا مالک ہے۔

وہ تھوڑی دیر تک بات چیت کرتا رہا۔ اس نے مجھ سے سوال کئے۔ میں نے ان کے جواب دیئے۔ آخر میں اس نے بڑے افسوس ناک انداز میں کہا کہ عجائب گھر میں کسی قسم کی کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔ میرا دل بری طرح بیٹھ گیا۔ آخر کار میں نے کہا۔ میں کوئی عہدہ نہیں چاہتا۔ میں تو صرف یہاں کام کرنا چاہتا ہوں۔ فرش صاف کرنے کے لئے آپ کو کسی کی ضرورت تو پڑتی ہوگی۔ کیا میں یہ کام انجام دے سکتا ہوں؟"

اس نے کہا۔ "مگر وہ شخص جس نے کالج میں تعلیم پائی ہے فرش صاف کرنے

کی خواہش نہیں کیا کرتا۔"

میں نے کہا: "ہر قسم کا فرش نہیں۔ مگر عجائب گھر کا فرش اس سے مختلف ہوتا ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں یہاں فرش صاف کر دوں گا۔ اور اپنے اس کام سے محبت بھی کروں گا۔" وہ مسکرا اٹھا۔

"اگر اس کے بارے میں تمہارے احساسات اس قسم کے ہیں تو میں تمہیں اس محبت کا موقع دوں گا۔ تم جانوروں کی کھال بھرنے کے دفتر میں جمیس ایل کلارک کے ساتھ کام شروع کر سکتے ہو۔ اب آؤ اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ اس کے بعد میں تمہیں دوسرے لوگوں سے ملاؤں گا۔

عجائب گھر میں شروع کے مہینے عجائب گھر میں میرے فرائض تھے۔ صبح کو فرش دھونا، پھر کمرہ صاف کرنا، سچ تیار کرنا اور جمیس کلارک کی اعانت کرنا۔ اس سے میل جول کا زمانہ جوں جوں گزرتا گیا۔ اس کے لئے میری محبت میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ جم ذرا سا وقت بھی ضائع کرنا پسند نہیں کرتا تھا اور میں کرتا تھا۔ فرصت کے اوقات میں بھی ہم دونوں کو اسی عمارت میں کہیں نہ کہیں اپنی اپنی دلچسپی کے کاموں میں مصروف دیکھا جا سکتا تھا۔

ڈاکٹر بم پس نے بھی مجھے فراموش نہیں کیا۔ وہ اکثر مجھ سے اپنے کسی نہ کسی کام کے لئے کہہ دیا کرتا تھا۔ وہ میرے فرش کی طرف بھی یہ دیکھنے کے لئے دفعتاً جھانکتا رہتا تھا کہ کالج کی تربیت میری خدمت کی انجام دہی کی راہ میں رکاوٹ ثابت نہیں ہوئی تھی۔ آٹھ ہفتے کے بعد میری تنخواہ میں تھوڑا سا اضافہ کر دیا گیا۔ اب میں کچھ بہتر کھانا کھا سکتا تھا۔

مجھے ابھی عجائب گھر میں صرف چند مہینے ہی ہوئے تھے کہ مجھے ایک بڑا موقع دستیاب ہوا۔ ڈائرکٹر نے مجھ سے ایک شخص موسوم بہ رچرڈ سن کی مدد کرنے کے لئے کہا۔ وہ

زندہ وہیل کے برابر کاغذ کی وہیل بنانا چاہتا تھا۔ میں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی کہ مجھے وہیل کے بارے میں بہت ہی کم معلومات حاصل تھیں۔ مگر یہ کام اس قدر مشکل ثابت نہیں ہوا جس قدر کہ یہ نظر آتا تھا۔ جم کلارک پہلے جیسی شکل بنا چکا تھا۔ ہمیں صرف اس سے بڑی شکل بنا دینا تھا۔

شروع شروع میں ہر چیز ٹھیک ٹھاک چلتی رہی۔ کاغذ کا خول شروع ہونے سے پہلے تک تو رچرڈسن کو معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ لوہے اور پتلی لکڑی کی ۷۶ فٹ لمبی شکل عجیب وغریب نظر آتی تھی۔ مگر کاغذ کا خول کسی طرح کام ہی نہیں دے رہا تھا۔ کاغذ پھٹ جاتا تھا۔ اس کی شکل بدل جاتی تھی۔ اور یہ ہڈیوں کے درمیان گر پڑتا تھا۔ ہماری وہیل بہت ہی بدنما لگتی تھی۔ گویا اسے کافی عرصہ سے کھانے کو کچھ نہ ملا ہو۔ رات کو میں اس کے بارے میں بڑے بڑے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اور ڈائریکٹر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

آخرکار اس نے جم کلارک اور مجھے اپنے دفتر میں بلایا۔ "یہ وہیل تو مجھے پاگل بنا رہی ہے ہم اب کیا کریں گے؟"

جم کو اور مجھے معلوم تھا کہ ہم کیا کرنا چاہیے۔ ہم نے اس مسئلے کے بارے میں بار بار گفتگو کی تھی۔ ہم نے کہا۔ "اس کاغذ والے مسٹر رچرڈسن کو اب اس کام پر نہ رکھیے اور ہمیں اس وہیل کی تکمیل دوسرے سامان سے کرنے دیجیے۔"

ڈائریکٹر نے مسکرا کر کہا۔ "بہتر ہے۔ اگر تم اس غریب شکل کو ایک عمدہ اور سڈول وہیل بنا دو گے تو میں تم دونوں کو خصوصی اعزازات دوں گا۔"

جمی اور میں اس وقت ۱۲ معاونین کو لے کر اس کام پر لگ گئے۔ وہیل زیادہ صحت مند نظر آنے لگی۔ اس کے پہلو بھر گئے۔ وہ بالکل زندہ دکھائی دینے لگی۔ گویا وہ ابھی پانی میں لڑھک کر کھیل کود مچا سکتی ہے۔ آٹھ مہینے بعد یہ کام تکمیل کو پہنچا

وہ تقریباً پچاس سے عجائب گھر میں لٹکی ہوئی ہے اور اب بھی بالکل نئی لگتی ہے۔

ایمگان سیٹ کی وہیل

وہیل کی تیاری میری زندگی کا ایک اہم موڑ ثابت ہوئی۔ اس نے مجھے فرش صاف کرنے کے کام سے نکال کر وہیل مچھلیوں کے بارے میں غور کرنے اور کتابیں پڑھنے میں مصروف کر دیا۔ اس کے بعد مجھے ایک اور شاندار موقع ملا۔ نیویارک کے قریب ایمگان سیٹ کے قصبے کے ساحل پر لانگ آئی لینڈ سے خواہش کر ایک حقیقی وہیل کا شکار کیا گیا جم کلارک کو اور مجھے اس کا ڈھانچہ حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ ڈائرکٹر نے ہم سے کہا تھا "سب چیزیں لے لو تصویریں۔ پیمائشیں اور ڈھانچہ یعنی اس کی ایک ایک ہڈی"

گاؤں پہونچنے کے بعد وہیل کی خریداری کا کام جلد ہی انجام پا گیا۔ وہیل کی ہڈی قیمتی چیز تھی۔ کیونکہ بعض صنعتیں اسے اس زمانہ میں بھی استعمال کرتی تھیں۔ میرا خیال ہے اس کی مجموعی قیمت ہمیں ۲۲۰۰ ڈالر ادا کرنی پڑی تھی۔ ہمیں ڈھانچہ سپرد کر دیا گیا۔ مگر اس کی ہڈیاں ہم ہی کو نکالنی تھیں۔

وہیل کا جسم بالکل پانی کے کنارے پر پڑا ہوا تھا۔ مچھیروں نے وہیل کی چربی نکال لی اور چلتے بنے۔ اب جم کے اور میرے سامنے ایک حقیقی مسئلہ آن کھڑا ہوا۔ وہیل کا ڈھانچہ گوشت کے ایک زبردست پہاڑ کے اندر دبا ہوا تھا۔ بیشک ہم اکیلے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اور مچھیرے کام کرنا نہیں چاہتے تھے۔ سردی بہت شدید تھی اور بڑی تیز ہوا چل رہی تھی۔ آخر کار ہمیں چھ آدمی مل گئے جنھوں نے گوشت کاٹ کاٹ کر علیحدہ کرنا شروع کر دیا۔ کاٹے ہوئے ٹکڑوں کو دور لے جا کر پھینکنے کے لیے ایک گھوڑے سے کام لیا گیا۔ اس کے بعد ایک بہت ہی تکلیف دہ بات واقع ہوئی۔ مشرق کی جانب سے ایک طوفان اٹھا۔ لہریں بڑی وحشیانہ قوت کے ساتھ آ آکر ساحل سے ٹکرانے لگیں۔ مگر ہم نے اسے آتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ اور وہیل کو جس قدر اچھی جگہ کر ممکن تھی باندھ دیا تھا ہم

یہ تمام کام ایسے پانی میں کرتے رہے جو برف کی طرح سرد ہو رہا تھا۔

طوفان تین دن تک جاری رہا۔ اسوقت تک ہم بڑی مایوسی کے ساتھ اس کے ختم ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ صرف آدھا ڈھانچہ ساحل پر پڑا ہوا تھا۔ اگر بقیہ حصہ ضائع ہو جائے گا تو پھر اس کی قدر و قیمت ہی گیارہ جائے گی۔ چوتھا دن بڑا پرسکون تھا مگر سردی بلا کی تھی۔ جب ہم ساحل پر پہنچے تو وہاں ہمیں ریت کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ ہڈیاں غائب ہو چکی تھیں یہ منظر دیکھ کر جم اور میں پاگل ہو گئے۔ مگر اس وقت ہم نے یہ محسوس کیا کہ شاید یہ ریت کے نیچے دبی ہوئی ہوں۔ تھوڑی محنت کے بعد ہمیں پتہ چل گیا کہ ڈھانچہ ریت میں کافی گہرا دبا ہوا ہے۔ اسے باہر نکال لانا ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔ جونہی کسی ہڈی کو باہر نکالنے کے لئے تھوڑی بہت ریت ہٹاتے تھے اس گڑھے میں پانی بھر جاتا تھا۔ اس برفیلے پانی میں کام کرتے وقت ہمارے ہاتھ کندھوں تک ڈوبے ہوئے تھے۔ ہم ایک ایک ہڈی کو کاٹ کاٹ کر علیحدہ کر رہے تھے۔

تین دن تک جم اور میں تنہا کام کرتے رہے۔ سردی اس قدر سخت تھی کہ دیہاتی بہت زیادہ معاوضہ پر بھی کام کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ کوئی چارہ کار نظر نہیں آرہا تھا۔ اور ڈاکٹر نے ہم سے اس کی ایک ایک ہڈی لانے کے لئے کہا تھا۔ لہٰذا ہم اپنا کام بند نہ کر سکے۔ آخر کار کچھ مچھیروں نے ہماری مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اس ہفتے کے ختم ہونے تک ڈھانچہ ساحل سے کافی دور پہنچ چکا تھا۔ ہم تمام ہڈیوں کو لئے ہوئے نیویارک لوٹ آئے۔

میری اولین زندہ وہیل

تھوڑا عرصہ پہلے ہی جزیرۂ ونیکوور کے مغربی جانب اور جنوب مشرقی الاسکا کے ساحلوں پر وہیل کے شکار کے تین مرکز قائم کئے گئے تھے۔ ان بڑے جانوروں کا شکار ۹۰ فٹ لمبی کشتی میں کیا جاتا تھا۔ ایک بڑی بندوق کے ذریعہ ہارپون پھینک کر انہیں مارا جاتا تھا۔ اس کے بعد انہیں کھینچ کر ساحل پر لے آیا جاتا تھا۔ وہاں ان سے تیل اور دوسری اشیاء حاصل کی جاتی تھیں

مطالعہ کے لحاظ سے یہ عجیب وغریب موقع تھا۔ میں نے ڈاکٹر کرڑے درخواست کی کہ وہ مجھے وہاں جاکر بلاتنخواہ تمام کام کی اجازت دے دے۔ اور صرف میرے کھانے پینے کے اخراجات ادا کردے۔ اسے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ چنانچہ میں ۱۹۰۸ء کے موسم بہار میں اپنی اولین تحقیقی مہم پر روانہ ہوگیا۔

جزیرہ وینکو کے مغربی حصہ میں جو بارک لے ساونڈ کے پانی نے زبردست شگاف ڈال دیا تھا۔ اس سے بیس میل اوپر کی جانب وہیل کا مرکز درختوں سے لدے پھندے پہاڑ کے سامنے واقع تھا۔ میں ایک چھوٹے سے جہاز میں سوار ہوکر سمندری بیماری سے بہت کمزور ہوکر یہاں پہنچا۔ وہیل کے شکار کے اس تمام عرصہ کے دوران میں اس بیماری کا شکار متواتر رہا۔ اس کے باوجود میں شکاری جہازوں پر تقریباً روزانہ جایا کرتا تھا۔ میں وہیلوں کا مطالعہ بڑی توجہ کے ساتھ کرتا رہا۔ یہ کہ وہ کھانے کے لئے کتنی دیر تک پانی کی سطح پر رہتی ہیں۔ کتنی مرتبہ وہ اپنی ناک سے سر کے عین اوپر پانی کا فوارہ نکالتی رہتی ہیں۔ وہ حرکت کس طرح کرتی ہیں۔ اور سینکڑوں ایسی چیزیں تھیں جن کی طرف کہ وہیل کے کسی بھی شکاری کو گھمسان کی لڑائی میں توجہ دینے کا وقت ہی نہیں مل پاتا ہے۔

میں اس وقت کو کبھی نہ بھول سکوں گا جبکہ وہیل پہلی مرتبہ جہاز کے نزدیک ہی پانی کے اوپر آئی تھی۔ جب کہ یہ جانور پانی کی گہرائی میں تھا اسی وقت سے میں نے لمبے لہر کو اٹھتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ ایک بہت بڑی کالی سی چیز تیزی کے ساتھ اوپر کی جانب جھپٹی۔ اور پانی کی سطح کو کاٹتی ہوئی جہاز کے قریب پہاڑ کی طرح نمودار ہوگئی۔ مجھے، اس کی ناک کے سوراخ انداتک دکھائی دے رہے تھے۔ جبکہ ان میں سے پانی کے فوارے اور ہوا کی دھار ایک دم پھوٹ نکلی۔ اور تقریباً میرے چہرے پر آگری۔ اسکے ایک سیکنڈ بعد ہی جب بندوق سے ہارپون داغا گیا۔ اس کے دھماکے سے میں پیچھے کی جانب گر پڑا۔

ایک لمحے کے لئے میں اس کی زبردست دم کے منظر کو بھی دیکھ سکا تھا۔ جو اس قدر طاقت کے ساتھ اٹھ رہی تھی اور گر رہی تھی کہ وہ ہماری چھوٹی چھوٹی کشتیوں کو پاش پاش کر سکتی تھی۔ اس کے بعد موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔ صرف ہارپونوں کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔ جبکہ اس کا بے جان جسم سیدھا گہرے نیلے پانی میں ڈوب رہا تھا۔

گرمیوں کے خاتمہ تک مجھے عجائب گھر کے لئے ایک بہت بڑی وہیل کا ڈھانچہ دستیاب ہو چکا تھا اور میری بیاض مردہ اور زندہ وہیلوں کے بارے میں بہت سی نئی نئی معلومات سے بھر چکی تھی جو کہ آج تک جمع نہیں کی گئیں تھیں۔ بے شک اس کی وجہ یہ تھی کہ میں سائنس کا اولین آدمی تھا جس نے کہ وہیلوں کا سمندر میں جا کر مطالعہ کیا تھا۔

میں نے زندہ وہیلوں کی جو تصویریں لی تھیں وہ اخبار بینوں کے لئے بڑی دلچسپی کا موجب بن گئیں۔ کیونکہ یہ دنیا کے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ انجان پستانیے (MAMMAL) کی اولین تصویریں تھیں۔ میں نے مضامین لکھے اور وہیلوں کے بارے میں مجمع عام میں تقریریں کیں۔ میں نے مزید مطالعہ کے لئے کولمبیا یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ اب میں عجائب گھر کے پستانیوں اور پرندوں کے دفتر میں کام کرنے لگا۔ زیادہ تنخواہ دینے کے بجائے ڈائرکٹر نے مجھے یہ اجازت دے دی کہ میں صبح کو عجائب گھر میں کام کرتا رہوں اور تیسرے پہر کو کالج چلا جایا کروں۔ مجھے سو ڈالر ماہانہ تنخواہ مل رہی تھی۔ مگر یہ بہت کافی تھی کیونکہ مجھے اپنے کام کے علاوہ زندگی کی دیگر مصروفیات کے لئے وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ میں ہفتہ کا ہر دن کام کرنے اور مطالعہ کرنے میں گزارتا تھا۔ اکثر رات کو دیر تک کام کرتا رہتا تھا۔

اس سرما میں میں نے مجمع عام میں بہت سی تقریریں کیں۔ کھوج لگانے والے کے لئے ایسی تقریریں ایسی ہی اہمیت رکھتی ہیں۔ جیسا کہ مضامین لکھنا۔ اگر کوئی کھوج لگانے والا یہ توقع رکھتا ہے کہ عوام اسے اس کے کام کے لئے روپیہ دیں تو اسے لازماً لوگوں

کو یہ بتانا پڑتا ہے کہ اس نے کیا کام انجام دیے ہیں۔ اور اب اس کے کیا منصوبے ہیں۔

سنہ ۱۹۰۸ء کی بہار میں میں سفید سنگ ماہی (PORPOISE) کے لئے کینیڈا میں دریائے سینٹ لارنس اور دریائے سیگینو کی ایک چھوٹی سی مہم پر گیا۔ سنگ ماہی وہیل کی طرح پانی کا ایک پستانیہ ہوتی ہے۔ مگر اس سے بہت چھوٹی ہوتی ہے اور اس کی لمبائی عموماً پانچ سے آٹھ فٹ تک ہوتی ہے۔ ہمیں امید تھی کہ ہم نیویارک کے ماہی خانہ کیلئے یعنی ایسے عجائب گھر کے لئے جہاں زندہ سمندری حیوانات رکھے جاتے ہیں زندہ سنگ ماہی لا سکیں گے۔ مگر حالات سازگار نہیں تھے۔ اور ہم سنگ ماہی پکڑ ہی نہ سکے۔ مگر میں نے چار شاندار سنگ ماہی کو ہارپون سے شکار کر لیا۔ اور ان میں سے سب سے بڑی کی شکل تیار کر لی۔ یہ اب امریکی عجائب گھر میں سمندری زندگی کے ہال میں لٹکی ہوئی ہے۔

سینٹ لارنس سے واپس آنے کے ایک ماہ بعد ہی میں دوبارہ روانہ ہو گیا۔ اس مرتبہ میں دنیا کے دور دراز مقامات کے سفر پر جا رہا تھا۔ ایک دن ڈاکٹر کرٹ نے مجھے اپنے دفتر میں بلایا اور مجھ سے پوچھا "کیا تم بورنیو اور ولندیزی شرق الہند جانا پسند کرو گے۔" یہ ایسا ہی سادہ سوال تھا کہ کیا میں بہشت میں جانا پسند کروں گا۔

شرق الہند کی جانب

ڈاکٹر کرٹ نے مجھ سے کہا "امریکی حکومت کے دفتر ماہیات نے مجھ سے پوچھا ہے کہ کیا میں تمہیں ان لوگوں کے ساتھ ان کے جہاز "البیٹروس" پر ایک سفر پر روانہ ہونے کی اجازت دے دوں گا۔ وہ شرق الہند کے بعض چھوٹے چھوٹے جزیروں میں کھوج لگانا چاہتے ہیں جنہیں کہ اب انڈونیشیا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور سمندر کی گہرائی سے کچھ چیزیں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تمہارا کام ہوگا سنگ ماہی کا مطالعہ کرنا اور خشکی کے پستانیوں اور پرندوں کو جمع کرنا۔ تمہیں البیٹروس پر جزائر فلپائن میں پہنچنا ہے"
اس کے نزدیک تو یہ بہت سادہ بات تھی۔ مگر میں اس طرح روانہ ہوا گویا میں

خواب میں چل رہا ہوں۔ البٹروس (ALBATROSS) اپنی قسم کا مشہور ترین جہاز تھا۔ کھوج لگانے کا کوئی بھی جہاز اتنے اچھے انداز سے بنا ہوا نہیں تھا۔ اور فطری تاریخ میں کام کرنے والے چند مشہور ترین لوگ اسی جہاز کو استعمال کر چکے تھے۔ ایسے گروہ میں شامل، فی نفسہٖ کافی تھا۔ چاہے شرق الہند کے خوبصورت جزیروں میں سفر کرنے کا موقع بھی دستیاب نہ ہو سکے۔

ایک مہینے کے اندر اندر میں سیٹلا میں پہنچ چکا تھا مجھے پتہ چلا کہ البٹروس جنوب کی طرف گیا ہے اور کئی ہفتے بعد واپس لوٹے گا۔ مگر میں تو فوراً ہی مصروف ہو جانا چاہتا تھا۔ میں نے ایک چھوٹے سے جزیرے کے بارے میں سنا جہاں کے جہاز اکثر نہیں جایا کرتے تھے۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہاں بہت سے دلچسپ پرندے ہوں گے۔ میں نے وہاں جا کر کھوج لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک ہفتے بعد ایک حسین صبح کو میں دو فلپینی باشندوں کے ساتھ ایک کشتی میں بیٹھ کر اس درختوں سے لدے ہوئے جزیرے کے نشیبی ساحلوں کی طرف چل دیا۔ صاف ستھرے ہرے ہرے پانی میں ہمیں بہت سی مختلف رنگوں کی مچھلیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک چھوٹی سی کھاڑی میں ہم ریت پر اتر پڑے اور بڑی تیزی کے ساتھ ہم نے جزیرے کے چاروں طرف کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ وہاں کوئی انسان نہیں رہتا تھا۔ مگر وہاں اچھے پانی کا ذخیرہ موجود تھا اور یہی بات بڑی اہم تھی۔ پانچ دن کا کھانا اور کام کرنے کا سامان ہمیں چھوڑ کر ہمارا جہاز روانہ ہو گیا۔

ہم نے ایک بڑی چٹان کے نزدیک خیمہ لگایا۔ اس جزیرے پر صرف چند لیتانئے تھے وہاں پرندے تو بھرے پڑے تھے۔ چمکیلے سرخ سرخ، ہرے، نیلے اور پیلے طوطے درختوں میں جگہ جگہ نظر آ رہے تھے اور سفید کبوتر جن کے پر اور دمیں سیاہ تھیں۔ بہت بڑی تعداد میں ہوا میں اڑتے پھر رہے تھے۔ ان کے نرم نرم گیت اور خوشنما پر فضا پر چھائے

ہوتے تھے۔

ہر صبح پو پھٹنے کے ساتھ ہی میں اٹھ بیٹھا تھا۔ اور اس جزیرے کے ایک ایک گڑھے اور ایک ایک گوشے کی کھوج لگانے اور نئے نئے پرندے تلاش کرنے کی خاطر نکل کھڑا ہوتا تھا۔ اس کے بعد میں خیمہ میں جا کر اپنے آپ کو ٹھنڈک پہنچاتا اور اس دن کی پرندوں کی پکڑنے کی تیاری کرنے سے پہلے پانی میں کھیلا کرتا تھا۔ سہ پہر کو ہم لوگ مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔ موسم برابر حیرت انگیز رہا۔ دن میں گرمی ہو جاتی تھی مگر راتیں ہمیشہ سرد ہی رہیں۔

پانچ دن میں نے انتہائی خوشی کی حالت میں گزارے مجھے افسوس تھا تو یہی تھا کہ جہاز واپس آ کر میرے اس جزیرے کو خوابوں کا خاتمہ کر دے گا۔ پانچویں دن اندھیرا ہو گیا مگر جہاز نہیں آیا۔ اگلا دن آیا اور گزر گیا۔ اس کے بعد والا دن بھی گزر گیا اور کوئی جہاز نہیں آیا۔ ہمارا کھانا ختم ہو چکا تھا۔ روٹی کا آخری ٹکڑا تک ختم ہو گیا تھا۔ مگر میں نے چند پرندے شکار کر لئے۔

نلیینوں پر مایوسی طاری ہونے لگی۔ مگر مجھے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ مجھے تو بے انتہا خوشی تھی۔ رات کو ہم درختوں میں سے پرندے پکڑ لیتے تھے۔ مچھلیوں کو پکڑنا تو بڑا آسان تھا۔ نمک کے لئے ہم سمندر کے پانی کو خشک کر لیتے تھے۔ اس طرح آسانی کے ساتھ کھانا دستیاب کر لینے کی بنا پر ہم بھوک سے نہیں مر سکتے تھے۔

دو ہفتے تک ہم اسی انداز سے رہتے رہے۔ اس کے بعد دھوئیں کا ایک چھوٹا سا بادل آسمان پر نظر آیا۔ وہ چھوٹا سا جہاز اس جزیرے کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے پہلو سے ایک کشتی نیچے اتاری گئی۔ اور دو ملاح اسے ہماری چھوٹی سی کھاڑی میں لے کر پہنچے انہوں نے ہمیں پکائے ہوئے کبوتروں پر مشتمل شاندار کھانا کھاتے ہوئے پایا۔ ہم نے انہیں بھی اس میں سے حصہ دیا۔ جس وقت میں خیمہ میں اپنی چند چیزوں کو جمع کر رہا تھا۔

تو مجھے بڑا افسوس ہو رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب مجھے اس طرح سکون اور خوشی کے ساتھ رہنے کا موقع پھر کبھی حاصل نہ ہوگا۔

جب ہم جہاز پر پہنچے تو میں نے دیکھا کہ کپتان پر اس قدر مایوسی طاری تھی کہ بخار سا آگیا تھا۔ جب اسے یہ پتہ چلا کہ یہاں ہماری زندگی کس قدر خوش و خرم اور پرلطف گزری ہے تو اسے غصہ آیا۔ اس جہاز کی مشین کا ایک پرزہ ٹوٹ گیا تھا۔ اسے بے انتہا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی ہم اس ریگستانی جزیرے پر دم توڑ چکے ہوں گے۔

البیٹروس پر میرا سفر

میرا کیسوائٹ کے مقام پر البیٹروس پر سوار ہونے کے بعد وہ بحر سولو میں ہو کر جنوب کی طرف چل دیا۔ وہ صرف تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے تاوا ‌‌(؟) برطانوی شمالی بورنیو اور پھر کوئلہ لینے کے لئے جزیرہ سیبٹک میں رکا۔ جس وقت جہاز خلیج سبٹیک میں جا کر ٹھہرا تو ہوا بالکل بند تھی۔ اور بلا کی گرمی پڑ رہی تھی۔

میں آج بھی اپنی ذہن کی آنکھوں سے جنگل کی اس عمودی دیوار کو، کا فورکے اس عظیم جنگل کو اور "شاہ" نامی درختوں کو دیکھ سکتا ہوں۔ جن کی شاخیں اس قدر اونچی تھیں کہ ان کے سرے تو آسمان کو چھوتے ہوئے نظر آتے تھے۔ میں ان لاتعداد چھوٹے چھوٹے کیڑوں کی بھنبھناہٹ بھی سن سکتا ہوں جو سارے آسمان پر چھائے ہوئے تھے ان کی آواز سے اس قدر زبردست شور برپا ہو رہا تھا کہ میرے کان کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ پھر سہ پہر کو چار بجے مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ جنگل پر تو کامل سکوت طاری تھی مگر سمندر سے بڑے بڑے بادل لڑھکتے ہوئے آ رہے تھے۔ اور ایسی موسلادھار بارش ہوئی جیسے کہ آسمان سے دریا برس رہے ہوں۔ یہ بارش کا طوفان یکایک تھم گیا اور اب محسوس ہونے لگا جیسے کہ سارا جنگل گرم اور مرطوب ہوا سے بھر گیا ہو۔ اس کے بعد وہی کیڑے

پھر اڑنے لگے۔ اس مرتبہ ان کا شور پہلے سے بھی بلند تھا۔ جنگل کے جانوروں نے بھی جو کہ طوفان کی وجہ سے دبک گئے تھے اپنی اپنی زندگی کا آغاز کر دیا۔

مجھے وہ وقت بھی یاد ہے۔ جبکہ میں نے جنگل میں داخل ہونے کی اولین کوشش کی تھی۔ میں نے طاقت کے ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ مگر یہ کوشش صرف ایک ہی مرتبہ ہو سکی۔ لچکیلے پودوں لکڑیوں اور شاخوں نے مجھے کوئی بیس جگہ سے جکڑ دیا۔ وہ میرے جسم سے لپٹ گئیں مجھے بازو اور ٹانگوں کے یہاں سے بہت زور سے بھینچنا شروع کیا۔ میری ہر جنبش میرے لئے تکلیف دہ ثابت ہو رہی تھی۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ کہ ایک ایک کر کے انہیں توڑا جائے۔ اور اس طرح اپنے آپ کو آزاد کرا لیا جائے۔

میں ساری عمر سانپوں سے گرفتار رہا ہوں انہیں چھونے کے لئے بھی مجھے اپنے آپ کو قوت کے ساتھ دھکیلنا پڑتا ہے۔ ویسے میں عجائب گھر کے لئے سینکڑوں لے کر گیا ہوں بیشک میرا خیال یہ تھا کہ اس جنگل میں سینکڑوں سانپ ہوں گے۔ اپنا فرض تصور کرتے ہوئے میں نے انہیں تلاش کرنے کی کوشش بھی کی مگر وہاں پیڑ پودے، اس قدر گھنے تھے اور بہت سے سانپوں کا رنگ اس قدر موزوں تھا کہ وہ میرے ہاتھوں سے صاف بچ نکلتے تھے۔ مگر اس کلیہ کا ایک زبردست استثنا بھی واقع ہوا میں اپنے فلپینی معاون سیر نڈا کے ساتھ ساتھ جنگل کے ایک چھوٹے سے راستے پر چل رہا تھا۔ کہ اس نے یکایک اپنا نپری کی ٹوٹ سے مجھے پیچھے کی طرف کھینچا۔

اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو۔ وہ رہا۔ ایک بہت بڑا سانپ! اسے جلد ہی سے نشانہ بنا دو!" میں نے دیکھا مگر مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ مجھے وہاں کوئی بھی سانپ دکھائی نہیں دیا ایک بڑا سا درخت سڑک پر جھکا ہوا تھا۔ سیر نڈا برابر یہی کہتا رہا۔ وہ رہا وہ رہا۔ کیا تمہیں دکھائی نہیں دے رہا ہے۔؟ بالکل اس شاخ کے اوپر"۔

یکایک ہوا کے ایک جھونکے نے درخت کو ہلا دیا۔ دھوپ کا ایک چھینٹا پتّوں میں سے گزر کر ایک چمکتی ہوئی آنکھ پر پڑ رہا تھا جو کہ شاخ پر چپکے ہوئے ایک بڑے اور چپٹے سے سر میں لگی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے کی جانب میں نے نظر دوڑائی تو دیکھا کہ وہ سانپ درخت پر کئی گز تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ اور کسی بھی متحرک چیز پر لٹک پڑنے کے لئے بالکل تیار تھا۔ میں پیچھے ہٹ کر اس چمکتی ہوئی آنکھ پر بندوق کا نشانہ لگایا۔

بندوق کی آواز کے ساتھ ہی گویا سارے جنگل میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک وحشیانہ بل کھاتے ہوئے اور پچھاڑیں مارتے ہوئے جسم نے پودوں کو اکھاڑ پھینکا۔ چھوٹے چھوٹے درختوں کو توڑ ڈالا اور گھنے پیڑ پودوں میں اپنے آپ کو جا ڈالا۔ میں اور میرنڈا دونوں بھاگے۔ محفوظ مقام پر پہنچ کر ہم اس کی طرف بغور دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ طوفان تھم گیا۔ تب ہم آہستہ آہستہ اور بڑی احتیاط کے ساتھ واپس گئے۔ سانپ نیچے پڑا ہوا تھا۔ اب بھی بے قابو ہو کر ادھر ادھر حرکت کر رہا تھا۔ اور زمین پر کنڈلی مارے پڑا ہوا تھا۔ اس کا سر پاش پاش ہو چکا تھا۔ جب ہم نے اسے سیدھا پھیلایا تو اس کی لمبائی بیس فٹ تھی۔ یہ زبردست سانپ یقیناً بہت بھوکا تھا۔ یہ اس سڑک کے اوپر شست باندھے پڑا تھا جس پر سے کہ پانی کی طرف جانے والے اور وہاں سے لوٹنے والے جانور گزرا کرتے تھے۔ یہ بالکل تیار تھا کہ اگر کوئی بھی چیز اس راستے سے گزرے تو یہ اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرنڈا کی تیز آنکھوں نے مجھے ایک بہت بھیانک موت سے بچا لیا۔

البٹروس پر سفر کا ہر دن دلچسپیوں سے بھرپور تھا۔ اکثر میں ایک دو دن ایسے چھوٹے چھوٹے جزیروں پر گزارتا گیا۔ جن پر کوئی بھی نہیں رہتا تھا۔ اس دوران میں وہ جہاز قریب کے پانی میں کھوج لگاتا رہتا تھا۔ میں عجیب و غریب صورت والے جانوروں کی تلاش میں رہتا تھا۔ میں نے ایسے ایسے پرندے دیکھے جن کی زبردست تعداد اور خوبصورتی

...کر میں دنگ رہ گیا۔ فطری تاریخ میں دلچسپی رکھنے والے انسان کے لئے تو یہ علاقہ ...ت تھا۔

بحر سولو میں سے گزر کر اور بحر سلیبس کو پار کر کے البیٹروس فلپائن واپس آ گیا۔ وہ ...ں دو ہفتے سے بھی کم ٹھہرا۔ کیونکہ اب اس کا تین سال کا سفر اختتام کو پہونچ چکا تھا۔ فلپائن ...رف جاتے ہوئے وہ فارموسا کے جنوبی سرے پر رکا۔ یہاں میں نے نئے نئے پتا نے ...پرندے جمع کئے۔ اس کے بعد ہم شمال میں سودان نامی گاؤں میں چلے گئے۔

سودان دنیا کی تقریباً آخری جگہ تھی جہاں کہ البیٹروس اور اس کے تمام مسافر رکے تھے ...مقام پر ہمیں ٹائفون یعنی بہت ہی طاقتور ہوا اور موسلادھار بارش والے طوفان نے ...برا۔ میری ہمیشہ یہ خواہش رہی تھی کہ مجھے ٹائفون سے سابقہ پڑ جائے۔ مگر یہ ایک ہی بہت ...ثابت ہوا۔

ٹائفون بڑے حیرت انگیز انداز میں ایک دم آ گیا۔ اس نے ہمیں اس وقت آ لیا ...ب ہم سودان سے ۵۰ میل دور تھے۔ شروع میں ہم ایک انگریزی جہاز کے قریب سے ...رے جو ہمارے بائیں جانب صرف چند گز کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑی ...ہری لہر جہاز کے پچھلے حصہ کی جانب بلند ہوئی۔ اور ایک آدمی کو سمندر میں ایسے پھینک ...یسے وہ چھوٹا سا جھینگا ہو۔ ایک انسان کا سفید سرے والی وحشیانہ لہروں میں گر کر ...ل قدر تیزی کے ساتھ نگاہوں سے اوجھل ہو جانا بہت ہی خوفناک منظر تھا۔

ہم سب یہ محسوس کرنے لگے کہ اب سمندر کی تہہ میں پہونچ کر اس اچھے اور قدیم ...ٹروس کی ۲۸ سالہ خدمات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چند گھنٹوں کے اندر اندر شاید ہم خود ...ں جان لیوا پانی کو اپنے سروں پر سے گزرتا ہوا محسوس کریں گے۔ ایک مایوسانہ سکوت ...رے جہاز پر چھا گیا۔ فطرت کی قوتوں کے خلاف ہم اپنی جان بچانے کی جنگ لڑ رہے ...ے۔ دراں حالیکہ فطرت ہم سے کہیں طاقتور تھی۔ زیادہ باتیں کوئی بھی نہیں کر رہا تھا

کیونکہ کسی کی آواز کا ہوا اور ٹکراتی ہوئی لہروں کے شور سے بلند ہو کر سنائی دینا
محال تھا۔

البیٹروس سیدھا ہری ہری لہروں کے پہاڑوں کے درمیان چل رہا تھا۔
مرتبہ جب بھی اس کا اگلا حصہ آگے کی جانب جھکتا لہریں اس سے آ کر ٹکراتیں اور
ڈھک لیتی تھیں۔ بائیں جانب ایک میل کے فاصلے پر سفید سفید پانی سے ڈھکے ہوئے
کے ساتھ ساتھ اونچی اونچی عمودی چٹانیں دیوار کی طرح کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک ایک
کر کے جہاز کی لنگ کی طرف بڑھ رہا تھا جو کہ شمال کی جانب صرف ۲۰ میل کے فاصلے
تھا۔ بعض اوقات تو وہ جتنا آگے بڑھتا اس سے زیادہ پیچھے ہٹ آتا تھا۔ مگر
جب بھی وہ پیچھے ہٹتا تھا طاقت ور لہروں سے مزید جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا
فطرت کے خلاف انسان نبرد آزما تھا۔ جہاز کا ایک ایک فرد اس جنگ میں حصہ
میرا خیال ہے کہ میں خوف زدہ قطعی نہیں تھا۔ کوئی بھی خوف زدہ دکھائی نہیں دے
تھا۔ البیٹروس جب بھی سامنے کی ٹکر کھا کر ہل اٹھتا تھا اور پیچھے ہٹ جاتا تھا تو
سب کے ذہن، دل ساری قوت اس کی مدد کو جا پہنچتے تھے۔

رات ہونے کے ساتھ ساتھ ہی ہمیں اپنے بائیں جانب روشنیاں نظر
ایک گھنٹے بعد جہاز جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا اور شکستہ مگر زندہ حالت میں کی لنگ
داخل ہوا۔

جہاز کو باندھ دیا گیا اور ہم ایک ہفتہ تک کی لنگ میں رکے رہے اور
ہم اوکی ناوا پھر جاپان کے شہر ناگاساکی گئے۔ یہاں میرا البیٹروس کا سفر ختم ہو گیا
ایک بالکل نئے اور مختلف سفر کا آغاز ہوا۔

جاپان میں وھیل کا شکار

ناگاساکی کے بازار میں چہل قدمی کرتے
شاید میری ساری زندگی کو بدل کر رکھ دیا

ے وہیل کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو کھانے کے لئے فروخت ہوتے ہوئے دیکھا
س بات کا علم نہیں تھا کہ جاپان کے ساحلوں پر وہیل کا شکار کھیلا جاتا ہے۔ کیونکہ
ہل کی وھیلوں کے بارے میں کوئی بھی معلومات حاصل نہیں تھیں۔ اس لئے
نے سوچا کہ اگر میں ان کا مطالعہ کرنے کی خاطر جاپان میں ٹھہر سکوں تو یہ فطری تاریخ
ب زبردست خدمت ہوگی۔ عجائب گھر نے بڑی خوشی کے ساتھ مجھے اس بات کی
ت دے دی۔

وہیل کے شکار والی کمپنی شمونوسیکی میں تھی۔ میں اگلے ہی دن وہاں چلا گیا
ہر شخص دوستانہ انداز سے پیش آیا۔ ان لوگوں کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ایک
ں ان کے مراکز پر مطالعہ کرنے کی غرض سے آیا ہے۔ چند دن بعد میں نے اوشیما
ھلیاں پکڑنے کے چھوٹے سے گاؤں میں اپنے مطالعہ کا آغاز کر دیا۔

یہ وھیل کے شکار کے موسم کا وسط تھا اور کم از کم ایک وہیل روزانہ پکڑی
ئی تھی۔ سب سے زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل تھی کہ اس کا گوشت کم از کم
ں میں بازار تک پہنچا دیا جائے۔ جونہی وھیل کو باہر نکالا جاتا مرد، عورتیں اور لڑکیاں
ت کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹنے میں لگ جاتے۔ یہ کام اس وقت رکتا جبکہ گوشت
ی ٹکڑا بھی بازار کی جانب روانہ ہو جاتا۔

وھیل اکثر آدھی رات کو پہنچتی تھی۔ میں ہمیشہ ساحل پر پہنچ جایا کرتا تھا۔
ف اپنا کام کرنے کی غرض ہی سے نہیں بلکہ عجیب وغریب مناظر کا مشاہدہ کرنے کی
ر بھی۔ تیل کے چراغوں سے مرکز کی زمین پر روشنی ہی روشنی ہو جاتی۔ مرد اور عورتیں
ں اور بچے چمکدار خون کی جھیلوں میں ادھر سے ادھر گھوما کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ زمین پر
ی ہوئی چربی پر پھسل بھی پڑتے تھے۔ وہ گرم گرم گوشت کے پہاڑوں کو کاٹتے رہتے
جب وہ بڑی بڑی ہڈیوں کو کھینچ کر نکالتے تھے تو "یا۔ را۔ کو۔ یا۔ سو" کہا کرتے تھے۔

نے وہیل کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو کھانے کے لئے فروخت ہوتے ہوئے دیکھا
س بات کا علم نہیں تھا کہ جاپان کے ساحلوں پر وہیل کا شکار کھیلا جاتا ہے۔ کیونکہ
کاہل کی وھیلوں کے بارے میں کوئی بھی معلومات حاصل نہیں تھیں۔ اس لئے
نے سوچا کہ اگر میں ان کا مطالعہ کرنے کی خاطر جاپان میں ٹھہر سکوں تو یہ فطری تاریخ
یک زبردست خدمت ہوگی۔ عجائب گھر نے بڑی خوشی کے ساتھ مجھے اس بات کی
زت دے دی۔

وہیل کے شکار والی کمپنی شمونوسیکی میں تھی۔ میں اگلے ہی دن وہاں چلا گیا
ہاں ہر شخص دوستانہ انداز سے پیش آیا۔ ان لوگوں کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ایک
ی ان کے مراکز پر مطالعہ کرنے کی غرض سے آیا ہے۔ چند دن بعد میں نے اوشیما
چھلیاں پکڑنے کے چھوٹے سے گاؤں میں اپنے مطالعہ کا آغاز کر دیا۔

یہ وھیل کے شکار کے موسم کا وسط تھا اور کم از کم ایک وہیل روزانہ پکڑی ہی
اتی تھی۔ سب سے زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل تھی کہ اس کا گوشت کم از کم
میں بازار تک پہنچا دیا جائے۔ جونہی وھیل کو باہر نکالا جاتا مرد، عورتیں اور لڑکیاں
ت کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹنے میں لگ جاتے۔ یہ کام اس وقت رکتا جبکہ گوشت
ٹکڑا بھی بازار کی جانب روانہ ہو جاتا۔

وھیل اکثر آدھی رات کو پہنچتی تھی۔ میں ہمیشہ ساحل پر پہنچ جایا کرتا تھا۔
ف اپنا کام کرنے کی غرض ہی سے نہیں بلکہ عجیب وغریب مناظر کا مشاہدہ کرنے کی
طر بھی۔ تیل کے چراغوں سے مرکز کی زمین پر روشنی ہی روشنی ہو جاتی۔ مرد اور عورتیں
یاں اور بچے چمکدار خون کی جھیلوں میں ادھر سے ادھر گھوما کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ زمین پر
لی ہوئی چربی پر پھسل بھی پڑتے تھے۔ وہ گرم گرم گوشت کے پہاڑوں کو کاٹتے رہتے
جب وہ بڑی بڑی ہڈیوں کو کھینچ کر نکالتے تھے تو "یا۔ را۔ کو۔ ریا۔ سو" گایا کرتے تھے۔

یہ ایسی آواز تھی جس کا کوئی مفہوم نہ تھا۔

میں بھی انہی کی طرح سخت محنت کیا کرتا تھا بلکہ ان سے زیادہ دیر تک کیونکہ
اور چربی کے ڈھل کر صاف ہو جانے کے بعد میں اپنی یادداشتیں اور پیمائشیں جس قدر مجھے
یاد رہ سکتی تھیں نوٹ کیا کرتا تھا۔ عموماً مجھے رات کو سونے کیلئے صرف پانچ یا چھ گھنٹے ملتے
ترین مسئلہ تو یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کی وھیلیں یکساں ہوتی ہیں
دوسرے سے مختلف۔ مستقبل کے مطالعہ کی غرض سے مجھے ہر وھیل کی تصویریں اور تقریباً
پیمائشیں لینی پڑتی تھیں اور ان کے ڈھانچوں کو عجائب گھر بھیجنا پڑتا تھا۔

اوشیما سے میں آئی کاوا گاؤں چلا گیا۔ جو جاپان کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔
وھیل پکڑنے والی کمپنی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں میں ایک چھوٹے سے خوبصورت مکان
رہتا تھا۔ جہاں سے کہ خلیج اور ساحل نظر آتا تھا جس پر کہ صنوبر کے درختوں کی قطار لگی
ہوئی تھی۔ یہ صنوبر بہت ہی قدیم نظر آتے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے کہ انہیں زندگی سے
دلچسپی نہ ہو اور وہ اپنی سینکڑوں سال کی زندگی میں بے انتہا تاریخ دیکھ چکے ہوں۔

آئی کاوا کے مرکز پر ۱۳ جہاز تھے ہر ایک پر ناروے کا ایک توپچی تھا۔ کیونکہ جاپان
وھیل کے کاروبار کی تربیت ناروے ہی نے دی ہے۔ زندہ وھیلوں کا مطالعہ کرنے اور ان
تصویریں لینے کی خاطر میں اکثر ان جہازوں میں بیٹھ کر گیا ہوں۔ اگست میں مجھے ایک
پیش آیا جس نے میری زندگی کا تقریباً خاتمہ ہی کر دیا تھا۔

میں اپنے ایک ساتھی جانسن کے ساتھ گیا ہوا تھا جسے ہم میں سے کوئی بھی
نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ وہ جاپان کے بہترین گولہ اندازوں میں سے تھا۔ ہم نے وھیل پر ایک
ہارپون مارا مگر یہ اس کے کندھوں کے درمیان جا کر لگا۔ اور اس نے اسے زیادہ چوٹ
پہنچائی۔ حالانکہ ہارپون کی رسی کے ذریعہ یہ جہاز سے بندھ گئی تھی۔ اس نے طرارہ بھرا اور
کو کھینچتی ہوئی تقریباً ایک میل تک چلی گئی۔ اس کے بعد رسی ختم ہو گئی اور وھیل جہاز کو

(ڈو)ری سے ممکن تھا کھینچ کر لے جانے لگی۔ اس کے ایک گھنٹے کے بعد اس کی زبردست طاقت بھی جواب دینے لگی۔ رسّی کو آہستہ آہستہ کھینچا گیا مگر اچانک یہ ٹوٹ گئی۔ ایک وحشیانہ طرارہ بھر کر وہ بھاگ گئی ہم گھنٹوں تک جہاز سے اس کا تعاقب کرتے رہے۔ مگر آخر کار گولہ انداز نے ایک اور ہارپون مار کر اسے نشانہ بنا دیا۔

جانسن نے کہا "مجھے اسے کھینچتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔ میں نے اس قدر طاقت ور وہیل اس سے پہلے نہیں دیکھی۔ میں ایک کشتی بھیجتا ہوں تاکہ اس کے بھالا مارا جائے۔"

میں نے پوچھا "کیا میں جا سکتا ہوں؟"

"بہت بہتر ہے۔ پرام لے جاؤ۔"

پرام ناروے کی ایک کشتی ہوتی ہے جس میں تین چار آدمی آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں اس کا پچھلا حصّہ پانی میں کافی گہرائی تک ڈوبا رہتا ہے۔ اسے آدھی گیند کی طرح بالکل گولائی میں خوب گھمایا جا سکتا ہے۔ ایک جاپانی افسر ایک لمبا اور تیلا بھالا لیے ہوئے تھا ایک ملّاح اس میں کشتی کو قابو میں رکھے ہوئے تھے۔

وہیل تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر پانی کی سطح پر پڑی ہوئی تھی وقتاً فوقتاً پانی کا فوارہ چھوڑے جا رہی تھی۔ جب ہماری چھوٹی سی کشتی پیچھے سے اس کی طرف آئی تو اس کا جسم برابر بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ یہ پہاڑ کی طرح نظر آنے لگی۔ درحقیقت اس کی لمبائی ۷۲ فٹ تھی۔

ہم اس کی طرف بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ کشتی اس کو چھو گئی اس افسر نے اس کے جسم میں بھالا مار کر کافی گہرائی تک بٹھا دیا۔ اس کا جسم ایک گیلے پہاڑ کی مانند اوپر اٹھا پھر نیچے بیٹھ گیا۔ میرا کندھا اس سے صرف چند انچ دور رہ گیا اگر کشتی کا ایک پہلو ٹوٹ گیا۔

میں پانی میں گر پڑا میرے بھاری کپڑے مجھے نیچے کی جانب کھینچنے لگے۔ جب میں اوپر اٹھا تو میرا سر کڑی سے ٹکرایا اور اس کشتی کا جو بھی باقی ماندہ حصّہ تھا میں اس پر جا پہنچا۔ وہ

افسر ٹوٹی ہوئی پرام کو پکڑے ہوئے تھا۔ ملاح شروع میں تو مرا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مگر بعد میں اس نے کروٹ لی۔ اور لکڑی کے ایک ٹکڑے کو پکڑ لیا۔ وہیل اپنے پہلو کے بل پڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے چوٹ کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔

یکایک مجھے نیلگوں سیاہ رنگ کے جسموں کا ایک ہجوم دم توڑتی ہوئی وہیل پر کودتا ہوا نظر آیا۔ اس کے منہ گوشت اور چربی کے لوتھڑے پھاڑے جا رہے تھے۔ ان کی تعداد میں مزید اضافہ ہو گیا۔ خون کے دھبوں کا تعاقب کرتے ہوئے سینکڑوں شارک مچھلیاں آ گئی تھیں ایک بڑا سا سر میرے پیر سے آ کر لگا۔ یہ منہ کھولے ہوئے پلٹ گئی۔ میں نے اس کے لات ماری اور یہ دور چلی گئی۔ ایک اور میرے بغل میں آ گئی۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اس کی ناک پر مار خوف سے تقریباً میرا دم نکل چکا تھا۔ مگر میرے حواس اس حد تک ضرور باقی رہے تھے کہ میں نے چلا کر اس افسر سے کہا کہ کشتی میں سے ایک ٹکڑا توڑ کر اسے گرز کی طرح استعمال کرے۔ جب بھی شارک ہمارے بہت قریب آ جاتی ہم اس کے منہ پر یا سر پر اس سے وار کرتے

ایک نے میرے جوتے کی نوک پکڑ لی اور اسے چھوڑ نہیں رہی تھی۔ میں نے بڑے وحشیانہ انداز سے اس کے چوٹ ماری اور جوتا اس کے منہ سے باہر نکل آیا۔ متحرک چیز ان کے قریب آئی خون کی تمنا سے پاگل ہو کر یہ اس کی طرف جھپٹیں۔ ایک شارک آگے بڑھتی اس نے پلٹ کر جاپانی ملاح کی ٹانگ اپنے منہ میں دبالی۔ تکلیف اور خوف کے احساس سے وہ شخص زور سے چلّایا اور لکڑی کے تختے سے نیچے گر پڑا۔ مگر میں نے اس کے بال پکڑ لئے اور اسے کھینچ کر پرام پر بٹھا لیا۔

چند منٹ بعد ہمارے قریب سے جہاز گزرا۔ جانسن بندوق چلا رہا تھا۔ میں نے بہت زور سے چلّا کر پکارا مگر اس نے صرف اپنا ہاتھ ہلا دیا۔ اس نے جہاز کو بڑی آہستگی اور احتیاط کے ساتھ بڑھایا اور وہیل کے جسم میں ہاربون چبھو دیا

جب آخر کار وہیل مر کر پانی میں بیٹھ گئی تو جہاز سے ایک پرام روانہ ہوئی۔ دو

ملاحوں نے ہمیں اس میں سجا لیا۔ افسر داد یا مجا۔ ہاتھا مگر مجھے صرف سردی لگ رہی تھی اور بری طرح سے غصہ آرہا تھا۔ میں بڑھ کر جانسن کی طرف گیا جو اب بھی بندوق کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ وہ بڑی خوشی کے ساتھ مسکرایا۔

اس نے کہا " آخر کار وہیل ہمیں ہاتھ لگ ہی گئی مجھے اندیشہ تھا کہ ہم کہیں اس سے محروم نہ رہ جائیں ۔

" ہاں تم تو اسے مارنے کی فکر میں تھے اور ادھر ہمیں شارکوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ آخر کیوں؟

" اگر ہم اسے کھینچتے تو ہارپون باہر نکل آتا۔ اس کے ڈوبنے سے پہلے پہلے ایک اور ہارپون مارنا پڑا "

" تم نے دیکھا کہ ہمارے ساتھ کیا پیش آرہا تھا؟"

" ہاں تمہارے اور گرد چند شارک مچھلیاں تھیں مگر تم صحیح وسالم تھے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی "

ایک لمحے کیلئے میں اس کی طرف صرف دیکھتا ہی رہا۔ اس کے بعد میں آگے بڑھا "جانسن تم ناکارہ اور بے رحم جانور ہو" میں نے اسے مارنے کی کوشش کی مگر اسے اس کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ اپنا سر بچا گیا۔ میرا ہاتھ صرف اسکے چہرے کو چھو سکا۔ اس شخص نے میری طرف اس طرح دیکھا جیسے کہ میں صرف ایک ناراض بچہ ہوں۔

اسنے کہا " تمہیں صرف غصہ ہے تم اس کے بارے میں سب کچھ بھول جاؤ گے بیوقوف مت بنو" پھر وہ پانی کی گہرائی میں جھانکنے کے لئے مڑ گیا جہاں کہ صرف اس مری ہوئی وہیل کا جسم نظر آسکتا تھا۔ اس قسم کے آدمی کا کوئی کیا کرسکتا تھا؟ وہ انسان ہی نہیں تھا۔ میں اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ اس جاپانی ملاح کی گھٹنے سے نیچے کی ٹانگ ضائع ہو گئی۔ اور جانسن کو اپنی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑا۔ میری پھر اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ خبر ملی تھی کہ وہ انٹارکٹک کے برفانی

سمندروں کی جانب چلا گیا تھا وہ اسی علاقے کا انسان تھا۔

گرمیوں کے اختتام پر میں نے چار بڑی بڑی دھیلوں کے ڈھانچے، بارہ سنگ ما ... اور دو قاتل دھیلیں نیویارک روانہ کیں۔ اس طرح امریکی عجائب گھر کو اپنی قسم کا بہترین گر... مل گیا۔ ان میں سے بیشتر چیزیں آج بھی سمندری زندگی کے ہال میں لٹکی ہوئی ہیں۔

مشرق میں ڈیڑھ سال سے زائد عرصہ گزارنے کے بعد میں گھر کی جانب روانہ ہوا۔ کئی مہینے تک میں یورپ میں سفر کرتا رہا میں نے بہت سے عجائب گھر دیکھے اور بڑے بڑے دلچسپ لوگوں سے ملاقات کی۔ میں نیویارک کی طرف اسوقت روانہ ہوا جبکہ میرا تمام روپیہ ختم ہو گیا

کوریا میں کھوج لگانا

جاپان میں، میں نے ایک عجیب و غریب وھیل کا تذکرہ سنا جسے کہ کوریا کے ساحل سے کچھ دور پکڑا گیا تھا۔ یہ کیلی فورنیا کی بھوری دھیل کی مانند بتائی جاتی تھی مگر اس قسم کی وھیل پچاس سال سے نظر نہیں آئی تھی۔ خیال یہ کیا جاتا تھا کہ یہ سب مر چکی ہیں۔ میں کوریا جا کر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ عجیب وھیل تھی۔ میں شمالی کوریا کے زبردست جنگلات میں پائٹک رسان لیج طویل سفید پہاڑ تک کے علاقہ میں کھوج لگانا بھی چاہتا تھا۔

جس قدر روپے کی مجھے ضرورت تھی امریکی عجائب گھر اس کے نصف سے بھی کم ادا کر سکا۔ اسمتھ سونین انسٹی ٹیوٹ بھی مجھے کم رقم ادا کرنے پر مجبور ہو گیا بشرطیکہ میں انہیں ایک وھیل کا ڈھانچہ بھیج دوں۔ بقیہ رقم مجھے نیویارک کے دوستوں نے ادا کر دی۔

چنانچہ ۱۹۱۲ء میں سال نو کے چند دن بعد میں بحر جاپان سے گزرتا ہوا دھیل کے ایک مرکز پر جا پہنچا کہ کوریا کے مشرقی حصہ میں اردسان کی بلند سنگین پہاڑیوں کے درمیان ایک دلچسپ کھاڑی میں واقع تھی۔

یہاں پہلی ہی رات کو ایک دھیل دکھائی دی۔ ایک نامعلوم مقام سے آگ نکلتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی لرزتی ہوئی روشنی کھاڑی کے کالے کالے پانی پر پڑ رہی تھی۔ دس

منٹ کے اندر اندر میں نے اپنے گرم کپڑے اور بھاری کوٹ اتار ڈالا ۔ باہر بالکل برفانی سردی تھی ۔ وہیل پکڑنے والا ایک جہاز جو برف سے ڈھکا ہوا تھا بڑے فخریہ انداز میں کھاڑی میں داخل ہوا اور بڑھتا ہوا پانی کے پر ہجوم کنارے تک آگیا ۔ اسمیں ایک بہت بڑی وہیل لدی ہوئی تھی میں نے بہت غور سے اس کا مطالعہ کیا ۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ یہ غائب شدہ بھوری وہیل تھی ۔

اگلے چھ ہفتوں کے دوران میں نے چالیس سے زائد وہیلوں کا مطالعہ کیا ۔ ان کی پیمائشیں لیں اور تصویریں اتاریں ۔ میں نے ان کا تعاقب ہوتے ہوئے دیکھا اور مجھے ان کی ان دانشمندانہ چالوں کا پتہ چلا جن کی بدولت وہ اپنے دشمنوں سے بچ نکلتی تھیں ۔

سمندر پر ہم نے جو دن گزارے وہ بہت ہی تکلیف دہ تھے ۔ ہمیشہ موسم انتہائی سرد رہا اولے گرتے رہے اور برف باری ہوتی رہی ۔ ہارپون انداز کی بندوق کے پیچھے گھنٹوں کھڑے رہنے کی بنا پر میرے کپڑے یخ بستہ ہو کر سخت ہو جاتے تھے اور میں سمندر کو چلا چلا کر صلواتیں سناتا رہتا تھا ۔ مگر جونہی میں ساحل پر واپس پہنچتا اور اپنے تجربات کو قلمبند کرنے کے لئے بیٹھتا تو وہ ساری تکلیفیں یک لخت بھول جاتا اور دوبارہ باہر جانے کی تمنا کرنے لگتا ۔

ایک دن قاتل وہیلوں کے ایک جھرمٹ نے ہمارے سامنے بہت دلچسپ مگر خوفناک منظر پیش کیا ۔ قاتل وہیل گویا سمندر کے بھوکے کتوں کی مانند ہوتی ہیں اور گروہ بنا کر شکار کرتی ہیں ان کے منہ بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں اور یہ وہیل کو زندہ نگل سکتی ہیں ۔ ہم ساحل کے قریب کوئی پچاس فٹ لمبی بھوری وہیل کا تعاقب کر رہے تھے اچانک قاتل وہیلوں کا ایک جھرمٹ نظر آیا ۔

انہوں نے ہمارے جہاز کی طرف نظر بھی نہ ڈالی بلکہ سیدھی بھوری وہیل کی طرف جھپٹیں ۔ وہ بھوری وہیل ان قاتل وہیلوں سے تقریباً دگنی بڑی تھی ۔ مگر ان کے خوف کی وجہ سے حرکت بھی نہ کر سکی ۔ بچ نکلنے کی کوشش کرنے کے بجائے یہ پیٹھ کے بل پلٹ گئی اور مرنے کے

انتظار میں چپ چاپ لیٹ گئی۔ ایک قاتل وھیل اس کی طرف جھپٹی۔ اس وھیل کے جبڑوں کو دباتے ہوئے اپنا سر اس کے منہ میں گھسیڑ دیا اور بڑے بڑے لوتھڑے چیر کر کھینچ لئے۔ دوسری قاتل وھیل اس کے نچلے حصہ میں سے چیر پھاڑ کر رہی تھی۔ اور یہ بچاری تکلیف کے مارے تڑپتی جا رہی تھی۔ جب ایک ہاربون نے اس کی تکلیفوں کا خاتمہ کر دیا تو مجھے ایک گونہ خوشی سی ہوئی۔

موسم بہار میں اس مرکز کے بند ہو جانے تک سمندری وھیلوں کے ڈھانچے یورپ روانہ کئے جا چکے تھے۔ اس کے بعد میں سکول چلا گیا اور شمال کے جنگلات کی مہم کی تیاریاں کرنے لگا۔ میں ایک چھوٹے سے جہاز میں شے شین نامی گاؤں گیا۔ جو روس کے شہر ولاڈی واسٹک کے جنوب میں اس سے زیادہ دور نہیں تھا

طویل سفید پہاڑ

میں چھ آدمی اور آٹھ گھوڑے لیکر اندرونی علاقے میں روانہ ہو گیا۔ ان میں سے کوئی بھی اس سے پہلے اس عظیم جنگل کے اندر نہیں گیا تھا۔ انہیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ہم راستہ بھٹک جائیں گے اور مر جائیں گے

ہر میل پر جنگل گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ یہ پر لطف جگہ قطعی نہیں تھی۔ وقتاً فوقتاً ہمارے گھوڑے کیچڑ میں پھنس جاتے تھے اور ہمیں انہیں کھینچ کر نکالنا پڑتا تھا۔ اونچے اونچے پودوں کی وجہ سے چلنے میں بڑی دقت پیش آتی تھی۔ درختوں پر ایک عجیب سا بھورے رنگ کا بور چھایا ہوا تھا جس کی وجہ سے دھوپ بالکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ چوتھے دن میں نے ایک جنگلی جانور کو شکار کیا۔ اس طرح ہمیں تازہ گوشت مل گیا۔ مگر اس کے بعد کئی دن تک ہمیں زندگی کے کوئی آثار نظر ہی نہ آئے۔ سوائے ہم لوگوں کی گفتگو کے اس خاموشی کو توڑنے والی کوئی اور آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ نہ تو وہاں پرندے تھے اور نہ چوپائے۔ اس کے بعد بارش شروع ہو گئی۔ ایک شاندار اور تیز طوفان کی شکل میں نہیں بلکہ ہلکی سی ٹپا ٹپ بارش جو ایک ہفتہ تک جاری رہی۔

جنگل کی تاریک خاموشی سے خوف زدہ ہو کر کوریائی غمگین سے ہو گئے تھے۔ اور سخت محنت کی بنا پر وہ کمزور ہو گئے تھے۔ وہ آپس میں بہت آہستگی کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے خیمہ لگانے کے دوران جب کبھی میں ان کے قریب پہنچا وہ خاموش ہو جاتے تھے مجھے پتہ چلا کہ وہ اس بات کا منصوبہ بنا رہے تھے کہ ٹٹو اور کھانا لے بھاگیں۔ اور مجھے جنگل ہی میں چھوڑ جائیں مجھے یقین تھا کہ ہم پائک توسان یعنی "طویل سفید پہاڑ" کے دامن سے دو دن کی مسافت سے زیادہ دور نہیں رہے تھے۔ میں نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم جلد ہی اس پہاڑ تک پہنچ جائیں گے اور میں ان کی تنخواہ دگنی کر دوں گا۔ اگر کسی شخص نے گھوڑے کو ہاتھ بھی لگانے کی کوشش کی تو میں اسے بندوق کا نشانہ بنا دوں گا۔

انہوں نے اس بات کو پسند تو نہیں کیا مگر وہ گئے نہیں۔ آخر کار دوسرے دن کی ڈھلتی ہوئی سہ پہر کو ہم جنگل میں ایک کھلی ہوئی جگہ پہنچ گئے۔ پہاڑ بالکل ہمارے سامنے تھا۔ یہ چوٹی تک سارے کا سارا برف سے ڈھکا ہوا تھا اور ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے کہ ایک بہت بڑا سفید بادل زمین پر آرام کرنے کے لئے آ گیا ہو۔

اس خوبصورت پہاڑ اور کھلے ہوئے علاقہ کو دیکھ کر وہ لوگ پھر خوش و خرم ہو گئے وہ قہقہہ لگا کر ایک دوسرے کو پکارنے لگے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ مجھے علم ہو گیا کہ اب مصیبت ختم ہو چکی تھی۔ اور وہ اب نہیں جائیں گے۔ اس رات ہم نے پائک توسان کے دامن میں ایک چھوٹی سی منجمد جھیل کے کنارے خیمہ لگایا۔ میں شکار کیلئے نکل گیا اور ہمیں کھانے کیلئے تازہ گوشت مل گیا۔ اس طرح گویا ہماری جماعت کی خوشی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔

ہم یہاں چار دن ٹھہرے رہے۔ پہاڑ پر چڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی یہ کام ایک دو ہم جنہ ۱۸۸۶ء میں انجام دے چکا تھا میرا مقصد تھا اس بات کا پتہ لگانا کہ کوریا کے جنگل میں کیا گیا ہے کیونکہ آج تک کسی نے اس کے اندرونی حالات کا کھوج نہیں لگایا تھا۔ میں نے طے کیا کہ میں مختلف راستے سے واپس لوٹوں گا۔ ہم جنگل میں ہو کر اس

مقام پر پہنچے جہاں سے کہ دریائے یانو نکلتا ہے۔ یہ سفر بہت ہی سخت تھا۔ مگر آخر کار ہم نے اس عظیم دریا کے کنارے پر خیمہ جا لگایا۔ وہاں سے میں نے ایک کے علاوہ باقی تمام لوگوں کو گھر بھیج دیا۔ وہاں سے دریا کے بہاؤ کی سمت کو دریائے مشرقی ساحل پر اس دریا کے دہانے سے اس تنگ مقام تک اس نے اور میں نے بہت ہی پر لطف سفر کیا۔

یہ مہم کامیاب رہی تھی میں نے بہت سے نئے نئے پستانیے اور پرندے جمع کر لئے تھے اور ان عظیم جنگلات کی کھوج جغرافیہ کے میدان میں بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ روس اور اسکینڈی نیویا میں سفر کرنے کے بعد میں ۱۹۱۲ء میں عجائب گھر واپس پہنچ گیا۔ آئندہ دو سال تک میں کولمبیا یونیورسٹی میں پھر تعلیم حاصل کرتا رہا۔ وہاں میں نے کیلی فورنیا کی بھوری وھیل کے بارے میں ایک مضمون لکھا اور وھیل کے شکار کی مہم پر آرکٹک میں بھی گیا جہاں میں ایک بھی وھیل نہ پکڑ سکا۔

اس کے بعد اگست ۱۹۱۴ء میں میں نے وائی ویٹ بورپ سے شادی کر لی۔ یہ جارج بورپ کی بہن تھی۔ جو کہ پیئری کے قطب شمالی کی کامیاب مہم کا رکن رہ چکا تھا۔

چین کی بڑی مہم

میں وھیلوں کا مطالعہ ترک کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا امریکی عجائب گھر کے پاس اب دنیا کا سب سے بڑا اور کامل ترین گروہ موجود تھا۔ بڑی مہم پر روانہ ہونے کی میں ہمیشہ سے ہی تمنا کرتا رہا تھا۔ عجائب گھر کے صدر ڈاکٹر اوس بورن نے میری روانگی پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

بہت عرصہ پہلے سے ان کا خیال یہ تھا کہ ایشیا دنیا کے اولین انسانوں کا مسکن اور حیوانی زندگی کی ماں تھا۔ مگر ایشیا کے بیشتر حصے کی ابھی تک کھوج نہیں لگائی جا سکی تھی اس سرزمین کا اگر بڑی توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو یقیناً اس کے بہت ہی اہم نتائج برآمد ہوں گے۔

میں نے بڑی توجہ کے ساتھ یہ جاننے کے لئے متعدد مہینوں کا منصوبہ تیار کیا کہ میں

اپنے سوال کا جواب پانے کے لئے کہاں سے ابتدا کرنی چاہیئے۔ اولین مہم تبت اور برما کے قریب چین کے جنوب مغربی حصہ ینان میں ہوگی۔ بالکل غیر آباد پہاڑی علاقہ تھا۔ نہ تو وہاں کے جغرافیہ کا علم تھا اور نہ وہاں کی حیوانی زندگی کا۔

مارچ ۱۹۱۳ء میں ہم بذریعہ جہاز جاپان روانہ ہوگئے۔ اس کے بعد ہم نے چین کے شمالی حصہ سے لیکر تبت کے کنارے تک سفر کیا۔

پہاڑ بہت ہی اونچے تھے۔ مجھے دریائے یانگ سی کے اوپر والے سولہ ہزار فٹ بلند پہاڑ کو پار کرنے کا واقعہ اچھی طرح یاد ہے۔ چند گھنٹوں کے اندر اندر ہم اکتوبر کی گرم گرم دھوپ سے موسم سرما کے وسط میں جا پہونچے۔ ایک چھوٹے سے جنگل میں ہو کر اوپر کی جانب چڑھے۔ پھر درختوں کی آخری قطار سے گزر کر اس کی بے برگ و گیاہ چوٹی تک جا پہنچے، جہاں کہ برف جمی ہوئی تھی۔ ہمارے خیمہ کے اوپر برف جیسی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ سردی اس قدر سخت تھی کہ ہم سو بھی نہ سکے۔ رات بھر ہم ایک چھوٹے سے الاؤ کے گرد بیٹھے ہوئے کانپتے رہے۔ کیونکہ وہاں لکڑی بہت کم تھی۔ سردی اور ہلکی ہوا کی بنا پر تین گھوڑے مرگئے۔ ہم سب کو بڑی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ اگلی صبح ہماری غمگین جماعت دوبارہ اکتوبر کی سنہری دھوپ میں پہنچ گئی۔ جب کہ ہم نے یکایک چھوڑ دیا تھا۔

پہاڑوں پر سے گزرتے ہوئے ہم تبت کے کنارے جا پہونچے ہم راستہ بھر نئے نئے پستانیے اور پرندے، نئے نئے پودے، نئے نئے لوگ اور نئے ممالک سے دوچار ہوتے گئے۔ ہم دریائے یانگ سی کو پار کر کے جس کا کہ پاٹ وہاں صرف پچاس گز تھا ایک تاریک وادی میں داخل ہوگئے۔ اس کے بعد دریائے سی کانگ کی وادی میں اتر کر جنوب کی جانب گرم جنگلات میں سے ہوتے ہوئے برما کے کنارے تک جا پہنچے۔

اب دریائے سالوین ہماری نگاہوں کے سامنے تھا۔ میں دریائے سالوین کی وادی میں جانا چاہتا تھا۔ مگر میں یہ غور کر رہا تھا کہ کیا اس سفر کی قدر و قیمت اتنی

ہو گی کہ ہم اپنی جانوں کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ مول لے لیں۔ یہ بہت ہی خوفناک مقام ہے جہاں آدم نہ آدم زاد۔ جہاں پرندے چیتے، سرخ جنگلی کتے اور بیماری کے سوا اور کچھ نہ تھا

میں نے وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ ہمیں جو کچھ بھی یہاں سے دستیاب ہوں گے وہ سائنس کیلئے بالکل نئے ہوں گے۔ چنانچہ ہم چلے گئے اور دس دن تک وہیں رہے ہم نے بہت سے جانور جمع کئے۔ وہاں بیمار پڑنے والا صرف میں ہی تھا۔ تین روز تک میں بخار یعنی ملیریا کی وجہ سے کانپتا رہا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کہ میں آرکٹک میں یخ بستہ ہو گیا ہوں۔ یا آگ سے پھنکا جا رہا ہوں۔ مگر میں اچھا ہو گیا۔

اس سفر کے بعد میں بیرونی دنیا کی اولین خبریں کئی مہینے بعد سن رہا تھا۔ امریکہ پہلی جنگِ عظیم میں کود پڑا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ سیدھا گھر چلا جاؤں اور ملک کی مدد کروں لیکن کوئی جہاز نہیں لے بھی جائے تو اسے تقریباً ساری دنیا کا چکر لگا کر جانا پڑے گا۔

آخرکار ہم ان تمام چیزوں کو لے کر نیویارک پہنچ گئے جنہیں کہ ہم نے عجائب گھر کے لئے جمع کیا تھا۔ ۲۶ دسمبر کو میرا پہلا لڑکا پیدا ہوا اس کا نام جارج بورپ اینڈ ریوز رکھا گیا۔ اس کے بعد میں اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے واشنگٹن چلا گیا۔ اس کے ایک ہفتے بعد میں بحریہ میں بھرتی ہو کر چین کے شہر پیکنگ کی طرف جا رہا تھا۔

جنگ کے دوران چین میں

پہلی جنگِ عظیم کے دوران پیکنگ گویا ایک مرکز تھا جہاں سے کہ میں چین اور منچوریا کے بیشتر حصہ میں سفر کے لئے جاتا رہا۔ میں دو مرتبہ صحرائے گوبی کو پار کر کے ارگانگ گیا جسے اب اولان باطور کہا جاتا ہے یہ منگولیا کا دارالخلافہ ہے۔ اس کے زمانہ میں میرا جو ایشیا میں کھوج لگانے کا کام تھا میرے یہ سفر اس سے مکمل مطابقت رکھتے تھے۔

وقت کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی اس لئے میں نے گوبی کو کاروں کے ذریعے پار کیا۔ یہ سفر پانچ سے سات دن تک میں انجام پا سکتا تھا۔ میں ارگا میں پہلی مرتبہ اگست

کے اوائل میں پہنچا۔ اس زمانہ میں دن کے وقت گرمی پڑتی تھی اور دھوپ نکلی رہتی تھی اور راتیں ٹھنڈی اور تروتازہ ہوتی تھیں۔ دوسرے دن میں اور ایک شخص سخت اور ہموار زمین پر نہایت سکون کے ساتھ کار چلا رہے تھے کہ پانچ اشخاص ٹیلوں کے پیچھے سے ایک دم نمودار ہوئے۔ شاید وہ ہماری کار حاصل کرنا چاہتے تھے انہوں نے ہماری طرف نشانہ لگایا۔ ہم نے جوابی فائر کئے۔ میں کار کو جس قدر بھی تیز ممکن تھا چلاتا رہا یہاں تک کہ ہم ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

دوسری مرتبہ جب ہم نے ایک اور شخص کی ہمراہی میں گوبی کو پار کیا تو یہ وسط سرما کا زمانہ تھا اور بہت سخت طوفان برف و باد ابھی کا ہی تھا۔ جب ہم ارگا پہنچے تو قریب قریب یخ بستہ ہو چکے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ سردی ہماری ہڈیوں تک میں گھس گئی ہے۔ اس کے بعد ہمیں شمال کی جانب سائبریا جانے کیلئے گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگل پار کرنا پڑا۔ یہ بہت ہی تلخ تجربہ ثابت ہوا۔ میرے دوست کی تین انگلیاں یخ بستہ ہو گئیں اور انہیں کٹوانا پڑا۔ حالانکہ مجھے یہاں سخت تکلیفیں جھیلنی پڑی تھیں پھر بھی یہ ملک اور اس کے لوگ مجھے بہت ہی دلکش معلوم ہوئے۔

یہی وہ جگہ تھی جہاں سے کہ مجھے اپنے وسطی ایشیا کے دورے کا آغاز کرنا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کہ منگولیا میں میرے تمام سوالات کے جواب موجود تھے۔ مجھے اس سے مزید واقفیت حاصل کرنی تھی۔ یہ ضروری تھا کہ میں اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہو کر اس ریگستان میں سفر کروں۔ لڑائی ختم ہو جانے کے بعد بھی میں پیکنگ میں مقیم رہا۔ چنانچہ میں نے اپنے نیویارک کے دوستوں سے کہا کہ وہ مجھے اتنی رقم بھیج دیں کہ میں منگولیا لوٹ کر پانچ مہینے تک وہاں رہ سکوں گرمیوں کا زمانہ بہت جلد گذر گیا۔ تب پیکنگ میں واپس پہونچ کر ہم نے ان تمام چیزوں کا جائزہ لیا جنہیں کہ میں نے عجائب گھر کے لئے جمع کیا تھا۔ اس سے پہلے عجائب گھر میں ان مقامات کی ایک بھی چیز نہیں تھی۔ جن میں کہ ہم نے کھوج لگائی تھی اب اسمیں

۵۰۰ جانور رہ جائیں گے مگر اس سے زیادہ اہم تو یہ تھا کہ مجھے یہ پتہ چل گیا تھا کہ گوبی میری آئندہ کی بڑی مہم کے خطہ کا ہوں کا مرکز ہوگا۔ یہ مہم تمام سابقہ مہمات سے مختلف ہوگی۔ اس سے ایک نئی قسم کی کھوج کی ابتدا ہوگی۔ اس منصوبہ کا ادنیٰ سے ادنیٰ حصہ بھی میرے ذہن میں بالکل واضح تھا۔ اور اب میں امریکہ کی روانگی کیلئے کوئی انتظار کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

نیویارک پہنچنے کے تین دن بعد میں نے عجائب گھر میں ڈاکٹر اوسبورن سے گفتگو کی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں یہ پتہ لگانے کے لئے ایک مہم پر جانا چاہتا ہوں کہ کیا دنیا میں حیوانی زندگی کی ابتدا وسط ایشیا سے ہوئی تھی؟ اوسبورن کا بھی عقیدہ یہی تھا۔ اس کی آنکھوں سے پتہ چل رہا تھا کہ اسے اس بات سے کس قدر گہری دلچسپی تھی۔

اس نے کہا: "یہ تو بہت اچھا خیال ہے۔ مگر تم اسے انجام کس طرح دوگے؟"

میں نے کہنا شروع کیا:

"ہمیں وسط ایشیا کی مکمل تاریخ جاننے کی کوشش کرنی چاہیئے یعنی اس کی ارضیات، نباتات وحیوانات کے قدیم آثار، زمانہ قدیم کا موسم اور اس کی نباتات ہمیں اس کے زندہ پستانیوں، پرندوں، مچھلیوں، رینگنے والے جانوروں، مینڈکوں اور نباتات کو جمع کرنا پڑے گا۔ ہمیں ایسے علاقوں کا نقشہ بنانا پڑے گا جن کا آج تک کسی نے کھوج نہیں لگایا ہے۔ اس ایک واحد مسئلہ کے مطالعہ کے سلسلے میں ہمیں متعدد سائنسدانوں کو کام میں لینا پڑے گا۔ جونہی سائنس دانوں کو کوئی چیز دریافت ہوگی۔ اسے سمجھنے کے کیلئے دوسرے کی مدد کریں گے ممالک متحدہ سے روانہ ہونے والی سب سے بڑی بڑی مہم ہوگی۔"

اوسبورن نے کہا "بیشک، یہ صرف اتفاق ہی ہوگا کہ تمہیں حیوانات اور نباتات کے کوئی قدیم آثار مل جائیں۔ اوسبورن کو تو منگولیا میں آج تک کوئی چیز نہ مل سکی تم ایسا کیوں سوچتے ہو کہ تمہیں مل جائے گی؟"

"کیونکہ روسیوں کی مہمات سائنس کی خاطر انجام نہیں دی گئی تھیں۔ وہاں چند اچھے سائنس داں ضرور ہوئے ہیں۔ مگر انہیں ایسے نتائج پیدا کرنے تھے جو کہ حکومت کو خوش کر سکیں۔ سائنس کبھی بھی کسی روسی مہم کا اہم سبب نہیں رہی۔ ان کے نقشے بھی ٹھیک طرح سے تیار نہیں کئے گئے ہیں۔ اور ان سب لوگوں نے صرف اونٹ استعمال کئے اس طرح وہ دن بھر میں صرف دس میل کا فاصلہ طے کیا کرتے تھے۔ ہم کاریں استعمال کریں گے۔ ہم ایک دن میں سو میل کا سفر کر سکیں گے اور اس طرح ایک ہی موسم میں ہم اس قدر کام انجام دے سکیں گے جتنا کہ انہوں نے دس میں انجام دیا تھا۔ اس طرح سردی کا موسم ریگستان میں گزار کر اور سردی سے ٹھٹھر ٹھٹھر کر مر جانے کی بجائے ہم سردیاں شروع ہونے سے پہلے ہی واپس آجائیں گے۔"

"تمہیں اس بات کا پتہ کس طرح چلا کہ تم ریگستان میں کاریں استعمال کر سکو گے؟"

"مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے کہ ہم کاریں استعمال کر سکیں گے مگر اس ملک کی جس قدر چیزیں بھی میں دیکھ سکا ہوں ان کی بنا پر میرا عقیدہ ہے کہ ایسا ہو سکے گا۔ اس کے لئے بڑی تیاریاں کرنی پڑیں گی۔ ہمیں اس کی مشین کا ایک ایک پرزہ لیجانا پڑے گا اور ایسے لوگ بھی لے جانے پڑیں گے جو ضرورت پڑنے پر ایک نئی کار استعما کر سکیں۔"

"تم اس قدر رسد کس طرح لے جا سکو گے؟ تم کاریں بہت زیادہ سامان تو نہیں رکھ سکتے۔"

"ہم روانگی سے قبل کئی مہینے پہلے اونٹوں پر ایک جماعت روانہ کر دیں گے۔ کاریں ریگستان کے چھ سات سو میل اندر کسی منتخب شدہ مقام پر ان سے جا ملیں گی۔ وہ رسد کو ریگستان کے اندرونی علاقوں میں پہنچا دیں گی۔ اور یہاں ہمیں جو کچھ دریافت ہوگا اسے بیرونی علاقہ تک لے جائیں گی۔"

اوسبورن نے اور بھی بہت سے سوالات پوچھے۔ اس نے اس بات سے اتفاق کیا

کہ سائنس کے مختلف میدانوں میں جو بہترین لوگ ہیں ہم انہیں اپنی مہم کے رکن بنا کرلے جائیں گے
میرا اپنی مہم کو تین یا چار گروہوں میں منقسم کر دینے کے خیال کو اس نے بھی پسند کیا اور اسے
بہت ہی اچھی تجویز قرار دیا۔ ہر گروہ اپنی جگہ پر مکمل ہو گا۔ اور اس قابل ہو گا کہ دو ہفتے تک
الگ رہ کر کام کر سکے۔ ان کے کام کا مرکز ہمارا خصوصی خیمہ رہے گا۔ وہ اسی مقام پر آتے جاتے
رہیں گے۔

دوسرا کام اس کثیر رقم کا انتظام کرنا تھا جو کہ ہمیں اس مہم کے لئے درکار تھی۔ کئی مہینے
ملک میں ان لوگوں سے گفتگو کرتا رہا جن سے کہ مجھے رقم ملنی تھی۔ میں نے عوام کے سامنے تقریریں کیں
چار مضامین لکھے۔ اور ایک کتاب لکھی۔ میں نے سینکڑوں دعوتیں کھائیں اور زبان سے لاکھوں
کروڑوں الفاظ ادا کر ڈالے۔ آخر کار ہمارے پاس کافی رقم جمع ہو گئی۔ اور میں نے یہ محسوس کیا
کہ اب وقت آ گیا ہے کہ میں لوگوں کو اپنے منصوبہ سے مطلع کروں۔ میرے اخباری بیان دیتے
وقت ۱۲ نامہ نگار موجود تھے۔ نیویارک کے تمام اخبارات نے اس کہانی کو اولین صفحات پر
جگہ دی اور دنیا بھر میں اس کی تشہیر کی گئی۔

اس مہم میں شریک ہونے کے لئے دس ہزار افراد نے شرکت کی درخواست کی ان میں
تین ہزار تو عورتیں تھیں۔ اس مہم کی تیاریوں میں میں اس قدر مصروف رہا کہ مجھے رات کو سونے
کے لئے صرف چار یا پانچ گھنٹے مل پاتے تھے۔ مارچ ۱۹۲۱ء میں ہم جہاز میں سوار ہو کر چین کی
طرف روانہ ہونے کے لئے تیار تھے۔ صدر امریکہ کی دعائیں بھی ہمارے ساتھ تھیں۔

۱۹۲۱ء کی گرمیوں میں ہم منگولیا نہ جا سکے۔ اس سے پہلے ابھی ہمیں بہت سا کام کرنا
تھا۔ ہمیں ایک ایسا مکان تلاش کرنا تھا جسے کہ ہم اس مہم کے دفتر کے طور پر استعمال کر سکیں
اس میں چینی اور منگول حکومتوں سے اپنے منصوبوں کے بارے میں گفتگو کرنی تھی ہمیں اونٹ
خریدنے تھے۔ کارندے تلاش کرنے تھے۔ کھانا اور رسد حاصل کرنی تھی۔ اور اونٹوں کی
جماعت کو سرما کے دوران ہی روانہ کرنا تھا۔ تاکہ یہ ہماری کاروں والی جماعت سے ریگستان میں

چھ سو میل اندر مل سکیں۔

آخر کار یہ تمام کام انجام پا گئے۔ اور اپریل ۱۹۲۳ء میں ہم پیکنگ سے کال گان روانہ ہو گئے۔ جو کہ اس صحرائے عظیم کا دروازہ تھا۔ ریگستان میں ان عجیب وغریب جنگلوں کے دوران ہمیں جو واقعات پیش آئے ہیں۔ وہ سب کچھ بیان نہیں کر سکتا۔ مگر جس دن ہمیں پہلی مرتبہ قدیم ہڈیاں (FOSSILS) دریافت ہوئیں وہ گویا ہمارے عظیم ترین تجربات میں سے تھا۔

ہم نے نیچی سی بھوری پہاڑیوں کے دامن میں خیمہ لگایا ہوا تھا۔ میں سورج کے غروب ہونے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ آسمان سنہرا اور سرخ ہو رہا تھا اتنے میں ایک کار چیختی ہوئی خیمہ میں داخل ہوئی۔ کسی نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ مگر والٹر گرینگر کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ ہمارا محدومیات کا سب سے بڑا ماہر تھا۔ خاموشی کے ساتھ اس نے مجھے کچھ ہڈیاں دکھائیں۔ اور ماہرین ارضیات کے پاس بھی کچھ ہڈیاں تھیں۔ ہم سب خوش ہو کر قہقہے اور نعرے لگانے لگے۔

پہلا ڈینو سار

اگلی صبح ڈاکٹر برکی خیمے میں آیا۔ کولمبیا یونیورسٹی کے ارضیات کے اس مشہور استاد کے حرکات و سکنات کچھ عجیب وغریب سے تھے مگر وہ مجھے کچھ بتا نہیں رہا تھا۔

جو کچھ اس نے کہا وہ یہ تھا "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ مجھے ایسی جگہ لے گیا جہاں گرینگر گھٹنوں کے بل جھکا ہوا کسی چیز پر سے ریت ہٹا رہا تھا۔"

برکی نے کہا "اس چیز کی طرف دیکھو اور بتاؤ کہ تمہارا اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

میں نے چٹان میں ایک بہت بڑی ہڈی دیکھی جو بالکل صحیح و سالم حالت میں تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ یہ ڈینو سار تھا۔

برکی نے کہا تھا "یہ ایشیا میں ہمالہ پہاڑ کے شمال کے علاقہ میں دریافت ہونے والا پہلا ڈینوسار ہے"

جب تک کہ انسان سائنس سے تعلق رکھنے والا نہ ہو اس کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ دریافت کس قدر اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب تک وسط ایشیا کی ارضیات اور جغرافیہ کے بارے میں جو کچھ معلومات حاصل تھیں ہم نے اس میں ایک بالکل ہی نئی حقیقت کا اضافہ کر دیا تھا۔ یہ ہڈی اور دیگر قدیم آثار اس بات کی اولین علامت تھے کہ ہماری مہم کا نصب العین درست ثابت ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ ایشیا یورپ اور امریکہ کی حیات کی ماں ہے۔

اس کے چند دن بعد ہماری ملاقات اونٹوں والی جماعت سے ہو گئی۔ جو کہ ہمارے کال گان سے کاروں میں روانہ ہونے کے کئی مہینے پہلے وسط سرما ہی میں روانہ ہو گئی تھی۔ ہماری ملاقات ایک قدیم پہاڑ کے دامن میں ایک کنوئیں پر ہونی قرار پائی تھی۔ بہت پرانے زمانہ میں یہ جگہ کافی اونچائی پر تھی مگر ہوا اور موسم نے اسے تقریباً ہموار کر دیا تھا۔ ہم اس پہاڑ کے دامن میں دوپہر کو پہنچ گئے۔ دور سے ہمیں اپنی اونٹوں والی جماعت اس کنوئیں کے قریب خیمہ زن نظر آئی۔ وہ ٹھیک اسی دن جس کا کہ تعین مہینوں پہلے ہو چکا تھا، ہم سے صرف ایک گھنٹہ پہلے ہی آ کر پہنچے تھے۔

دنیا کے سب سے بڑے پستانیے کی دریافت

۱۹۲۲ء کی اولین مہم کے دوران ہم ۲ اگست ایک یادگار دن تھا۔ اس دن سہ پہر کو والٹر گرینگر کو "بلوچی" کے کچھ حصے دریافت ہوئے تھے۔ یہ روئے زمین پر رہنے والا سب سے بڑا پستانیہ تھا مگر کسی کو بھی ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں تھا کہ یہ کس قسم کا جانور تھا۔ اس سے پہلے پاکستان کے علاقے بلوچستان میں اس کی ہڈیوں کے صرف چند ٹکڑے ملے تھے۔ دریافتیں اس سے اہم تر ثابت ہوئی ہوں گی۔

گرینجر کو اس کی اگلی ٹانگ کی بالائی ہڈی اور ایک طرف کا نچلا جبڑا ملا تھا۔ یہ بہت خوب تھا۔ مگر ہمیں تو سب سے زیادہ کھوپڑی کی ضرورت تھی۔ میں جس وقت سویا ہوں تو میرا دماغ "بلوچی تھیریم" کے تصور سے لبریز تھا۔ اور میں نے اس جانور کی کھوپڑی دریافت کر لینے کا بہت ہی پر بہار خواب دیکھا تھا۔ حالانکہ گرینجر کو اس بات کا یقین تھا کہ جس قدر بھی ہڈیاں نظر آسکتی تھیں۔ وہ سب اس نے حاصل کر لی تھیں۔ مگر میں نے فیصلہ کیا کہ اس جگہ واپس جا کر پھر جستجو کی جائے۔

اگلے دن میں دو آدمیوں کی معیت میں اس جگہ گیا۔ اور وہاں کی زمین کو بڑے غور اور توجہ کے ساتھ دیکھا۔ تقریباً پانچ منٹ میں، میں ایک چھوٹی سی پہاڑی کے سرے پر پہنچ گیا اور وہاں سے نیچے کی جانب دیکھا۔ میری نظر ہڈی کے ایک ٹکڑے پر پڑی۔ خوشی کا نعرہ لگا کر میں اس پہاڑی پر سے کود پڑا۔ جس وقت دونوں آدمی دوڑ کر اس گوشے تک پہونچے تو میں گھٹنوں کے بل جھکا ہوا چھوٹے سے کتے کی طرح زمین کھود رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں ہم نے ہڈی کا ایک بہت بڑا ٹکڑا باہر نکالا۔ اور ہمیں دس ٹکڑے اور نظر آگئے۔ وہ پتھر بن چکے تھے اور اس قدر سخت پڑ گئے تھے کہ اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں رہا تھا کہ وہ ہم سے ٹوٹ جائیں گے۔ جب ہم ایک کے بعد دوسرا ٹکڑا باہر نکالے جا رہے تھے تو خوشی کے ساتھ دیوانہ وار قہقہہ لگاتے ہوئے ہم ریت اڑائے جاتے تھے۔

یکایک میری انگلیاں ایک بہت بڑی اور سخت سی چیز سے ٹکرائیں۔ میرا خواب پورا ہو رہا تھا۔ یہ بلوچی تھیریم کی کھوپڑی تھی۔ جیسے ہی ہم دوڑ کر بچوں کی طرح شور مچاتے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے گرینجر نے اپنی روانگی میں اہم چیزیں اتنی تعداد میں دریافت کر لی تھیں کہ وہ آسانی سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔ مگر ہماری کہانی سن کر وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

حالانکہ ہم نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ "بلوچ" ایک بہت بڑا جانور تھا۔ اس کے باوجود اس کی ہڈیوں کی جسامت کو دیکھ کر ہم حیرت زدہ ہو رہے تھے صدر اوسبورن نے عجائب گھر میں

ہڈیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ یہ جانور ایک بہت بڑے قسم کا گینڈا تھا۔ کندھوں کے پاس سے اس کی اونچائی ۱۷ فٹ تھی اور اس کی لمبائی ۲۴ فٹ تھی اس کی گردن اور ٹانگیں لمبی لمبی تھیں۔ اور شاید یہ اونچے درختوں کی پتیاں کھایا کرتا تھا۔ چھ فٹ کے قد کا آدمی آسانی کے ساتھ اس کے نیچے سے گزر سکتا تھا۔ بلوچی تھیریم تقریباً ۲½ یا ۳ کروڑ سال پہلے پایا جاتا تھا۔ جب اس کے وطن میں موسم اور نباتات میں تبدیلی واقع ہوگئی تو نہ تو یہ اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا کر سکا اور نہ کسی دوسری جگہ منتقل ہو سکا۔ چنانچہ وسط ایشیا کو ترک کئے بغیر یہ یہیں مر کھپ گیا۔

پہلی مہم کا وہ دن کبھی میں ہرگز نہ بھول سکوں گا جبکہ کو ہمارا اتفاق سے ایک بے نام پہاڑ کی چوٹی پر والٹر گرینجر اور میں کھڑے ہوئے تھے۔ جہاں ہم کھڑے ہوئے تھے وہاں سے شمال میں بہت دور دور تک ایک سرخ رنگ کا بہت وسیع ہموار علاقہ نظر آ رہا تھا جو کہ چٹان کی سطح سے بلندی پر واقع تھا۔ یہ کالے کالے پتھروں سے ڈھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اگلے دن ہم وہاں گئے۔ ایسی عجیب سی شکلیں تراشی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کہ ہم بہت ہی قدیم اور دفن شدہ ماضی کی دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں اور ڈینوسار کسی بھی لمحے ہمارے خیمے میں گھس آئیں گے۔ ہم میں سے ایک شخص کو ڈینوسار کا ایک ڈھانچہ بھی ملا جو کہ مکمل طور پر لوہے میں منتقل ہو چکا تھا۔ یہ چٹان کے ایک بڑے ٹکڑے کے بیچ میں پھنسا ہوا تھا۔ اور اسے باہر نہیں نکالا جا سکتا تھا۔ یہ بات بڑی پریشان کن تھی کیونکہ یہ ایسی قسم تھی جس سے کہ سائنس ناواقف تھی۔

۳۰ اگست کو ہم یہ خیمہ چھوڑ کر میٹھے پانی کے کنوئیں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سفر کے دوران ہم نے ان پہاڑوں کو پار کیا جن کا کہ وہاں وجود نہ تھا۔ ہم نے ملتی ہوئی ڈھلانیں دریافت کیں۔ جہاں کہ سات کروڑ سال پہلے ڈینوسار انڈے دیا کرتے تھے۔

ستمبر کا کافی زمانہ گزر جانے کے بعد ہم سردیاں گزارنے کے لئے اور اگلے سال

ایک بڑا گروہ لے کر جانے کی تیاریاں کرنے کے لیے پیکنگ واپس آگئے۔ ہماری پہلی مہم کے بارہ مہینے بعد ہم پیکنگ سے گوبی کی جانب پھر روانہ ہوئے۔

دوسری مہم بھی پہلی مہم کی طرح کامیاب رہی۔ میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں کہ ہم کس طرح "جلتی ہوئی چٹانوں" تک پہنچے تھے اور ہمیں ڈینوسار کے انڈے پہلی مرتبہ دریافت ہوئے تھے۔ اس کے بعد ہم نے مغرب کی جانب نئے ملک میں سفر کیا۔ نقشے تیار کئے اور سائنس کے ہر میدان میں اہم اہم چیزیں دریافت کیں۔

موسم کے اختتام پر ہم اپنے وطن کی جانب روانہ ہوگئے۔ صدر اوس بورن کاں گان کے عین شمال میں ہماری مہم کے ساتھ آملا تھا۔ آخری رات کو کھانا کھانے کے بعد اوس بورن نے اور میں نے مستقبل کے بارے میں گفتگو کی۔ یہ واضح ہو چکا تھا کہ ہمارا کام منصوبے کے مطابق پانچ سال میں مکمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کے لیے دس سال ضروری تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے مزید رقم مہیا کرنے کے لیے امریکہ لوٹ جانا چاہیئے۔ ہمارے کچھ لوگوں کو بھی واپس جاکر جو کچھ کام ہم اب تک انجام دے چکے تھے اس کی قدر و قیمت کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ مہم کو تھوڑے عرصہ کے لیے ختم کردیں اور دوبارہ اس کا آغاز ۱۹۲۵ء میں کریں۔

ڈینوسار کے زبردست انڈے کی فروخت

ڈینوسار کے انڈے! ڈینوسار کے انڈے! میں امریکہ کے آٹھ ماہ کے دوران صرف یہی آوازیں سنتا رہا۔ میں ان الفاظ سے بچ کر نہ رہ سکا۔ ہم نے جو دوسری اہم چیزیں دریافت کیں تھیں۔ میں نے ان کے بارے میں لوگوں کو بتانے کی کوشش کی مگر کسی نے سنا تک نہیں۔ آخر کار میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ڈینوسار کے انڈوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

چند دولت مندوں نے ہمیں رقمیں دی تھیں مگر یہ بہت کافی نہ تھیں۔ مہم کے لیے روپیہ بہت ہی آہستہ آہستہ آرہا تھا۔ اس کے بعد میں نے صدر اوس بورن سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ لوگ مہم کے اخراجات کے لئے روپیہ دینا چاہتے ہیں مگر وہ یہ سوچتے ہیں کہ انہیں چھوٹی چھوٹی رقمیں مطلوب نہیں ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ڈینو سار کا ایک انڈا فروخت کر دیں۔ اسے وہ شخص پا سکے گا جو کہ سب سے زیادہ رقم کی بولی لگائے گا۔ اخبار اس کے بارے میں مضامین لکھیں گے۔ اور یہ وضاحت کر دیں گے کہ ہمیں بڑی رقموں کے تحائف کے ساتھ، ساتھ چھوٹی رقموں کے تحائف بھی درکار ہیں۔"

"ڈینو سار کے زبردست انڈے کی فروخت" کی ابتدا اس طرح ہوئی۔ میں نے اپنے منصوبے سے بہم اخباری نمائندوں کو مطلع کر دیا۔ اور انہوں نے ہماری مدد کرنا منظور کر لیا۔ اگلے دن لندن کے ایک اخبار نے اس انڈے کے عوض دو ہزار ڈالر کی پیش کش کی امریکہ کی 'قومی انجمن جغرافیہ' نے یہ رقم بڑھا کر تین ہزار ڈالر کر دی۔

آسٹریلیا کے ایک شباب گھر نے ۱/۲ ۳ ہزار ڈالر کی پیش کش کی۔ اور ییل یونیورسٹی نے چار ہزار ڈالر کی۔ ہر طرف سے رقمیں آنے لگیں ایک ڈالر سے لے کر دس ہزار ڈالر تک۔ آخر کار یہ انڈا آسٹن کول گیٹ کو پانچ ہزار ڈالر میں فروخت کر دیا گیا اس نے اسے کول گیٹ یونیورسٹی کو دے دیا عوام سے ہمیں پچاس ہزار ڈالر موصول ہوئے۔

ان سردیوں میں میں نے ممالک متحدہ کی تقریباً ہر ریاست میں ۸۰ دنوں میں عوام کے سامنے ۸۰ تقریریں کیں۔ اس کے اختتام پر میری تقریباً ساری قوت سلب ہو چکی تھی مگر ہمیں مہم کے لئے جس قدر روپیہ درکار تھا وہ سب مل چکا تھا۔

گوبی میں دوبارہ

۱۹۲۵ء کی مہم تمام سابقہ مہموں سے بڑی تھی۔ درحقیقت یہ اس قدر بڑی تھی کہ اس کے لئے صحیح معنوں میں عمدگی کے ساتھ کام کرنا ممکن نہ تھا۔ اس میں ۴۰ آدمی۔ آٹھ کاریں اور ۱۵۰ اونٹ شامل تھے۔ ہمیں اس قدر خوراک اس قدر رسد اور اتنی کاروں کی ضرورت پیش آئی کہ یہ زبردست ہجوم آسانی کے ساتھ یا جلدی جلدی آگے نہیں بڑھ سکتا تھا بہرحال یہ انتہائی کامیاب موسم ثابت ہوا۔

بہت سی صورتوں میں یہ پہلی دو مہموں کی طرح تھی۔ ہم نے نئے ملک کے اندرونی حالات دریافت کئے اور ہمیں نئے نئے قسم کے حیوانات کے قدیم آثار ملے۔ اوس بورن کے یہ خیال کہ وسط ایشیا شمال کی اولین حیوانی زندگی کا ایک بڑا مرکز تھا۔ اب مکمل طور پر ثابت ہو چکا تھا۔ اب ہمیں دیگر اہم حقائق بھی معلوم ہوئے۔ وسط ایشیا دنیا کے تمام دیگر علاقوں سے پہلے سے ہی خشک سرزمین چلا آ رہا ہے۔ ۵۰ کروڑ سال پہلے سے ہی اس کی زمین بلند ہوتی رہی ہے۔ جبکہ یورپ اور امریکہ کے علاقے مختلف زمانوں میں سطح سمندر سے کبھی بلند ہوگئے اور کبھی نیچے ہو گئے۔ یورپ اور امریکہ کی طرح منگولیا کبھی بھی برف سے ڈھکا ہوا نہیں رہا اسی لئے وسط ایشیا میں حیوانی زندگی کا بلا کسی انقطاع کے ایک مسلسل ریکارڈ ملتا ہے۔

جلتی ہوئی چٹانوں میں ہمیں ڈینوسار کے مزید انڈے ملے پہلے سے زیادہ بڑے اور پھر ہمیں اپنے خیمہ کے قریب ابتدائی انسانی زندگی کی بہت ہی دلچسپ علامات بھی دریافت ہوئیں۔ 'جلتی ہوئی چٹانوں' کے قریب کی ایک جگہ کو انسان ہزاروں سال تک استعمال کر چکے تھے۔

ان لوگوں نے دس سے لے کر بیس ہزار سال پہلے کے زمانے میں سارے منگولیا میں سفر کیا تھا۔ اس کے بعد ان لوگوں کے آثار الاسکا میں پائے گئے۔ یہ یقیناً آبنائے بیرنگ کی راہ سے امریکہ پہونچے ہوں گے۔ آج ایشیا اور شمالی امریکہ کے درمیان اس جگہ پانی پایا جاتا ہے مگر شاید کسی زمانے میں یہاں خشکی تھی۔ شاید یہ لوگ امریکہ کے اولین باشندوں میں سے تھے۔

۱۹۲۵ء کی اس گرما کے دوران 'جلتی ہوئی چٹانوں' کے علاقے میں ایک اور اہم چیز دریافت ہوئی۔ ہماری پہلی مہم کے دوران والٹر گرینگر کو ایک چٹان میں ایک بہت چھوٹی سی کھوپڑی دریافت ہوئی تھی جس کے بارے میں اس نے کہا تھا: "ایک نامعلوم قسم کا رینگنے والا جانور" بعد میں اس کھوپڑی کو چٹان میں سے نکال لیا گیا تھا۔ اور یہ دنیا کے

اور یہی لیپٹاسے کی کھوپڑی ثابت ہوئی تھی جس کا کہ انسان کو علم ہو سکا تھا۔ اس مہم میں ہم
پستانیوں کی سات کھوپڑیاں اور ڈھانچوں کے سات مجموعے ملے۔ یہ بہت ہی چھوٹے جسم
ہوتے تھے اور شاید سات کروڑ سال یا اس سے بھی پہلے ڈینوساروں کے پیروں کے آس
پاس بھاگتے دوڑتے رہتے تھے۔ سائنس دان ڈینوساروں کے انڈوں کو بھول جانے کے بعد بھی
ان چھوٹی چھوٹی کھوپڑیوں کو ہمارے ایشیا کے کام کی عظیم ترین واحد دریافت تصور
کرتے رہیں گے۔

جلتی ہوئی چٹانوں کو چھوڑتے ہوئے ہمیں افسوس ہو رہا تھا۔ پورے صحرائے گوبی
سے ہم نے جس قدر بھی توقع رکھنے کی ہمت کی تھی انھوں نے اس سے بھی زیادہ ہمیں
تھا۔ جب میری کار اونچی زمین پر پہنچ گئی تو میں اس عظیم سرخ وادی کو نظر بھر کر دیکھنے
کے لئے تھوڑی دیر رک گیا۔ میں جانتا تھا کہ اب میں اسے دوبارہ نہ دیکھ سکوں گا۔

ہمیں سانپوں کی ایک فوج نے ہمارے موسم کے آخری کیمپ سے نکل بھاگنے پر
مجبور کر دیا تھا۔ ریگستان میں صرف "گڑھے کا فنی" (PIT VIPER) ہی جان لیوا
ہوتا ہے۔ ہمارا خیمہ ایک پہاڑی پر لگا ہوا تھا اس کے دونوں جانب اونچی اونچی چٹانوں
دیواریں تھیں۔ رات کے دوران سردی بہت ہی سخت ہو جاتی تھی اور سانپ گرمی حاصل
کرنے کے لئے اوپر آ جاتے تھے۔

ہمارا ایک آدمی اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا کہ اس نے ایک لمبی اور پتلی سی چیز کو زمین
پر چاندنی کی ایک پٹی کو پار کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ سانپ کو مار ڈالنے کے لئے اٹھنے ہی
تھا کہ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ زمین پر اپنا قدم رکھنے سے پہلے ذرا نیچے کی جانب دیکھ لے۔ اس
پلنگ کے ہر پائے کے ارد گرد ایک ایک سانپ لیٹا ہوا تھا۔ اس نے دو سانپوں کو مار ڈالا
جنھوں نے کہ اس کے بستر پر قابض ہونے کی کوشش کی تھی۔ تب اس نے نہایت خاموشی
کے ساتھ پہلے سانپ کی تلاش کی۔ ایک ان سانپوں کا بادشاہ اس کے پلنگ کی پائینتی

ریب رکھے ہوئے ایک صندوق کے نیچے سے نکلا۔

وہ بڑی دلچسپ شام گزار رہا تھا مگر وہ اکیلا نہیں تھا۔ ایک شخص نے اپنے پلنگ کے قریب پانچ سانپ مارے ایک اور شخص کو اپنے جوتے ہی میں ایک سانپ نظر آیا۔ دوسرے دن اپنے ٹوپ میں نظر آیا۔ اس رات ہم نے ۱۴ سانپ مارے۔

ٹھنڈک کی وجہ سے سانپ آہستہ آہستہ حرکت کر رہے تھے۔ مگر ہم بہت ہی گھبرائے ہوئے تھے۔ جب ایک شام کو میں خیمہ میں داخل ہوا تو میرا پیر ایک نرم اور گول سی چیز پر جا پڑا۔ میرے چیخنے چلانے پر جماعت کے تمام لوگ باہر نکل آئے۔ مگر وہ صرف ایک چھوٹی سی رسی تھی۔ چند ہفتوں بعد نائر سنگھ چلا چلا کر اپنی لاٹھی سے دیوانہ وار کسی چیز کو مارے جا رہا تھا میں نے آخر کار اسے پا ہی لیا۔ مگر وہ لڑکے صرف لکڑی کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر لٹھیاں برسا رہے تھے۔

نئے کیمپ پر بے شمار قدیم ہڈیاں تھیں مگر آخر کار سانپوں کو کامیابی حاصل ہوئی کیونکہ ہوا میں منڈلاتی ہوئی برف ہم سے کہہ رہی تھی کہ ہم جنوب کی راہ اختیار کریں۔ ستمبر کے آخر میں کیمپ کو سانپوں کے حوالے کر کے روانہ ہو گئے۔ ۱۹۲۵ء والی مہم اختتام کو پہنچ گئی۔

۱۹۲۶ - ۱۹۲۷ء کے سال چین کے لئے مصیبتوں کا پیغام لے کر آئے۔ اب یہاں غیر ملکیوں پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاتا تھا۔ میں ۱۹۲۸ء اور ۱۹۳۰ء میں دو اور مہمیں لے جا سکا مگر اس زمانہ میں حکومت سے معاملات طے کرنا بہت ہی مشکل ہو گیا۔ اور میں نے طے کر لیا کہ یہ کام ختم کر دوں حالانکہ اب بھی گوبی میں بہت کچھ کام کرنا باقی تھا۔

میں اپنی کتاب "وسط ایشیا کی تسخیر" لکھنے کے لئے پیکنگ میں ٹھہر گیا۔ ۱۹۳۲ء کی گرمیوں کے اختتام تک جا کر یہ ختم ہوئی۔ اب پیکنگ میں اپنا گھر بار جمائے رکھنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔ یہاں میں ۱۲ سال رہ چکا تھا۔ جس وقت میں نے اس بڑی

اور سرج میچانک سے آخری مرتبہ قدم باہر نکالا۔ تو میں بہت اداس ہوگیا۔

میں نے اور میری بیوی نے ۱۹۳۰ء میں اپنی متاہل زندگی کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اب جبکہ ۱۹۳۲ء میں میں جب نیویارک واپس لوٹا تو میں نے ایک نئی زندگی شروع کی۔ میں امریکی عجائب گھر کا ڈائرکٹر اور کھوج لگانے کے کام کا انچارج ہوگیا۔ میں نیویارک کی کھوج لگانے والوں کی انجمن کا صدر بھی بن گیا۔ مجھے کچھ اعزازات بھی حاصل ہوئے۔ مجھے خوش ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر میں تھا نہیں۔ میں ریگستان میں واپس جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء میں میں نے ہندوستان کی راہ چینی اور روسی ترکستان میں ایک طویل مہم لیجانے کا منصوبہ تیار کرنا شروع کر دیا۔

اس کے بعد ایک ایسی چیز واقع ہوئی جس نے کہ میری ساری زندگی بدل کر رکھ دی جارج شروڈ جو اس زمانہ میں عجائب گھر کا ڈائرکٹر تھا۔ سخت بیمار ہوگیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں اس کے صحت یاب ہو جانے تک اس کی جگہ پر کام کرتا رہوں۔ یہ بات بڑی دلچسپ اور مفید تھی میرے دل میں جو سفر کرنے کی تمنا تھی وہ رخصت ہوگئی۔

اس زمانہ میں میری ملاقات ولہیلمینا کرسٹ مس نامی ایک لڑکی سے ہوئی جسے کہ ہر شخص "بلی" کے نام سے پکارتا تھا۔ میں نے طے کر لیا کہ اب دوبارہ شادی نہیں کروں گا مگر "بلی" کی ملاقات نے میرا دل بدل ڈالا۔ اس کے تین مہینے بعد ہم دونوں کی شادی ہوگئی۔

یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ڈاکٹر شروڈ اپنے کام پر واپس نہیں آسکتا تھا چنانچہ مجھ سے عجائب گھر کا ڈائرکٹر بن جانے کیلئے کہا گیا۔ میں اسے قبول نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اب کھوج لگانے کا کام نہ کرسکوں گا۔ مگر میں عجائب گھر سے اس زمانہ سے منسلک تھا جبکہ میں کالج سے نکلا ہی تھا اور بہت سی دلچسپ باتیں وقوع پذیر ہوتی جا رہی تھیں۔ میرے قدیم دوست کارل ایکلی کا افریقی ہال کا خواب اب

تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ اب شمالی امریکہ کے پتنگوں کے ہاں کے منصوبے تیار کئے جا رہے تھے۔ ہر سال تقریباً بیس لاکھ افراد اس عجائب گھر کو دیکھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ یہ کام بڑی مصروفیت کا متقاضی اور دلچسپ تھا۔

مگر دفتر میں بیٹھ کر کام کرنا اور شہر میں رہنا مجھے قطعی پسند نہیں تھا۔ ۲۸ سال تک میں نے کھلی ہوئی جگہ میں زندگی گزاری تھی۔ میرا حال اس جنگلی جانور کا سا تھا جسے کہ اس کی آخری عمر میں پکڑ کر باڑے میں بند کر دیا گیا ہو۔ ۱۹۲۷ء میں بلی نے اور میں نے شہر نیویارک کے باہر کے علاقے میں ایک کھیت خرید لیا۔ ہم یہاں صرف سنیچر اور اتوار کو ہی ٹھہر سکتے تھے۔ مگر اس جنگلی علاقہ میں سے ایک قابل رہائش مقام تراشنے میں ہمیں بڑا لطف آتا تھا۔ پانچ سال بعد جبکہ میں نے عجائب گھر کو خیر آباد کہہ دیا تھا ہم نے اسے مستقل رہائش گاہ بنا لیا۔

روپیہ فراہم کرتے پھرنا میرا کام بس یہی رہ گیا تھا۔ میں خوش نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ عجائب گھر کے اور خود میرے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ میں ڈائرکٹر کی حیثیت سے کام کرتا رہوں۔ چنانچہ ۱۹۴۲ء میں میں اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو گیا۔

نیویارک کے ایک اخبار نے میرے بارے میں اس وقت جو کچھ بیان کیا تھا میں اسے یہاں درج کرنا چاہتا ہوں۔

"ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کام سے مستعفی ہوتا ہے کہ اسے اپنے کام سے محبت ہے۔ تاہم رائے چیپ مین اینڈریوز کے فطری تاریخ کے عجائب گھر کے ڈائرکٹر کے عہدے سے سبکدوش ہو جانے کی وجہ یہی ہے۔ دنیا کے حالات اب اسے پہلے کی طرح کھوج لگانے کی اجازت نہ دے سکیں گے۔ ساتھ ساتھ اب عجائب گھر کو نئے نئے مالی مسائل بھی درپیش ہیں۔ ڈاکٹر اینڈریوز کا کہنا یہ ہے کہ وہ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے موزوں نہیں ہے۔ چنانچہ وہ ان ترقیوں کے نتائج کے تحفظ کی خاطر کہ جن میں اس کا

بھی بہت اہم مقصد ہے ایک طرف ہٹ کر کسی دوسرے شخص کو اس کا موقع دے رہا ہے ترقی کے اس عہد میں وہ ایک کامل انسان ثابت ہوا ہے۔ اس نے علم و آگہی کی دنیا میں اس عجائب گھر کو ایک زبردست قوت بنا دیا ہے۔ اس نے لوگوں کو ان معاملات میں دلچسپی لینا سکھایا۔ ۳۵ سال تک یعنی اس کی زندگی کے نصف سے زائد حصہ تک ڈاکٹر اینڈریوز صرف عجائب گھر کے ساتھ اور اسی کی خاطر زندگی گزارتا رہا ہے۔ یہ جان کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ وہ ساری زندگی عجائب گھر کی بلا تکلف امداد کرتا رہے گا۔"

(ایڈیٹر کا نوٹ:۔ رانے جیپ مین اینڈریوز کا انتقال مارچ ۱۹۹۰ء میں ہو گیا)